رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولٰئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی-اے-ایل-ایل-بی) و مولوی صدر الدین (بی-اے-بی-ٹی)

جلد (۱) | بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۱۵ء | نمبر (۹)

فہرست مضامین

ماخوذ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ اگست سنہ ۱۹۱۵ء

(۱) شذرات ۳۹۱ - (۲) رسالہ اشاعت اسلام میں تصاویر کا انتظام ۳۹۲ - (۳) ووکنگ میں عید الفطر ۳۹۳ - (۴) عید الفطر ۳۹۵ - (۵) ہندوستانیوں کی وفاداری ۳۹۶
(۶) ایک اور نومسلم اور ایک بلند طبقہ کا گھرانہ اور اُنکا اسلام ۳۹۷ - (۷) نظم ۴۰۴ - (۸) یسوع - الوہیت اور انسانیت کا ایک نمونہ ۴۰۸ - (۹) مسیح انسان اور مسیح خدا ۴۲۱
(۱۰) ام الالسنہ یا زبانوں کی ماں ۴۲۳ - (۱۱) عیسائی مذہب کی تعریف کیا ہے؟ ۴۲۹ - (۱۲) عید کے دو چاند ۴۳۵

ستمبر سنہ ۱۹۱۵ء خلیفہ رجب الدین صاحب کے اہتمام سے ... پریس لاہور میں ... شائع ہوا

قیمت سالانہ تین روپے

وی پی وصول کنندگان احباب امور ذیل پر توجّہ فرمائیں

یُوں تو وی پی ہمیشہ فرمائش پر ہی جاری ہوتا ہے۔ لیکن وصولی پر جو کوپن ہیں ڈاکخانہ سے واپس ملتا ہے۔ وُہ بعض وقت محفوظ نہیں ہوتا۔ اِس لیئے وی کنندہ کا پتہ ٹھیک نہ پڑھا جانے پر آئندہ رسالہ جاری رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس پہلی فرمائش تو ہوتی ہے۔ لیکن بہت سے وی پی میں سے خاص تعین مشکل ہوتی ہے۔ اس لیئے التماس ہے کہ ہر صاحب وی پی وصول کنندہ وی پی پیکٹ کی وصُولی پر از سرِنو ایک کارڈ پر اپنا پتہ خوشخط بھیجدیں۔ اور وصولی پیکٹ کا حوالہ دیں۔

پتہ ملنے کا

مینجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس۔ عزیز منزل۔ لاہور

ضروری اطلاع

(۱) اگست نمبر میں سے صفحات ۳۶۵ سے لیکر ۳۷۶ تک ایک خاص وجہ سے نکالنے پڑے۔ لہذا ناظرین اگست نمبر میں صفحہ ۳۷۷ کو ۳۶۵ سمجھیں اور اس ترتیب سے باقی صفحات درست فرمالیں۔

(۲) خط و کتابت کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ دیں۔

(۳) جن احباب کی جلد ۱۹۱۶ء میں کسی نمبر کی کمی ہو فوراً مینجر سے طلب فرمائیں۔

(۴) بعض اصحاب کے پتوں کی صحت کی ضرورت ہے۔ اس لیئے ناظرین کرام اس ستمبر نمبر کے لفافہ پر اپنا اپنا پتہ ملاحظہ فرما کر حسب ضرورت پتہ کی اصلاح کر کے مینجر کو فوراً اطلاع بخشیں۔ تاکہ آئندہ اُن کے رسالے بوجہ عدم صحت پتہ رائیگان نہ ہوں۔

(۵) احباب جو نئے خریدار بھیجا رہے ہیں براہ نوازش نئے خریداران کے پتے خوشخط اور عمدہ تحریر فرمایا کریں۔

(۶) کسی کی جائز شکایت سے مینجر رسالہ کو مطلع فرمائیں۔

مینجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۱) بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء نمبر (۹)

شذرات

مبارک عید الفطر اور تین اور اصحاب حلقہ بگوش اسلام

الحمد للہ یہ عید بھی خالی نہ گئی۔ تین سعید روحیں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ اُن میں ایک فوجی افسر لفٹنٹ گفورڈ ہیں۔ آپ کا نام شیخ اسد اللہ تجویز ہؤا۔ دُوسرے بھائی خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ مسٹر ڈڈلے رائبٹ جو ایک مشہور اخبار نویس۔ اور کسی اخبار کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ اُن کا تفصیلی حال بعد میں درج ہوگا۔ آپکا اسلامی نام محمد صادق

تجویز ہوا۔ ایک خاتون عائشہ کے نام سے موسوم کی گئی۔ ایک اور مسلم خاندان لنڈن کا حال ناظرین کرام اسی رسالہ میں ایک اور جگہ ملاحظہ فرماویں گے۔

گذشتہ عید کے حالات شاید حضرت قبلہ مولوی صدرالدین صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے ہمیں آئندہ میل میں پہنچیں۔ لیکن ہم نے پسند نہ کیا۔ کہ ہم اپنے قارئین کرام کو دیر تک انتظار میں رکھیں۔ جو کچھ ہمیں دیگر ذرائع سے۔ اور خصوصاً انگریزی اخبارات سے اطلاع ملی ہے۔ اُس کو ہم اپنے لفظوں میں ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اِس عید نے بالخصوص ہماری اِس اسلامی تحریک کو چار چاند لگا دے۔ اور اس کو چار دانگ میں مشہور کر دیا۔

رسالہ اشاعت اسلام میں تصاویر کا انتظام

انگریزی اسلامک ریویو کے قریباً ہر ایک پرچے میں نومسلم بھائی بھینوں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ ہمارے بعض دوستوں کی ہمیشہ فرمائش رہی ہے۔ کہ رسالہ اشاعت اسلام جو اسلامک ریویو کا ترجمہ ہے۔ کیوں ریویو مذکور کے اِس ضروری حصّہ سے خالی رہے چنانچہ ہم نے اس کا خاص انتظام کر لیا ہے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ اوّل تو ماہ اکتوبر و الّا ماہ نومبر سے بالالتزام ہر نمبر میں یہ تصویریں نکلا کریں گے۔

عید کے موقعہ پر جو انگلش پریس نے اپنے نمائندہ فوٹو گرافر مسجد ووکنگ میں بھیجے اُس کے فوٹو نہایت ہی دلچسپ ہیں۔ اُن کی بابت مولوی صاحب کو ووکنگ لکھدیا ہے وہ اشاعت اسلام میں درج ہو جاویں گے۔ لیکن ایسا انتظام مستقل ہونا اور یہی اخراجات کو بڑھانا ہے۔ ہاں اگر خریداران رسالہ کی تعداد بڑھ جاوے تو کوئی مشکل نہیں

ووکنگ میں عید الفطر

خدا کے فضل کا نظارہ۔ خدا کے کاموں کا ایک بدیہہ ثبوت اگر کسی نے دیکھنا ہوتا تو وہ جاکر ووکنگ کی گذشتہ عید الفطر کو دیکھتا۔ ووکنگ کی مسجد جو آج سے تیس ۳۰ سال پہلے تعمیر ہوئی ہے۔ وُہ آج خدا کی عنایات کا جلوہ گاہ ہو رہی ہے۔ کیا بانی مسجد کے وہم وگمان میں بھی تھا۔ کہ انگلستان کے ایک گوشہ میں یہ خانہ خدا جو قریبًا پچیس ۲۵ سال سے زائد مقفل رہا۔ ایک دن اُس کے اندر اور باہر صحن میں تین چار صد مُسلمان ایک وقت خدائے قدوس کے آگے سربسجود ہونگے۔ اور اللہ اکبر کے نعروں سے یہ زمین گونج اُٹھے گی ؎

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری ۔ تھمتا نہیں کسی سے سیل رواں ہمارا

۱۳۔ اگست کی صبح کو ووکنگ اسٹیشن پر یکے بعد دیگرے گاڑیوں نے مُسلمانوں کو ہر طرف سے لانا شروع کیا۔ ہندی۔ مصری۔ ایرانی۔ افریقی اور انگریز مُسلمان جمع ہونے شروع ہوگئے مسلم طلبار لنڈن کے علاوہ دیگر یُونیورسٹی ہائے سے بھی عزیز طلبار آنے شروع ہوئے۔ ہمارے صحت یافتہ مسلم سپاہی جو آج انگلستان کی خاطر میدان جنگ میں خون بہانے گئے ہوئے ہیں کوئی چالیس پچاس کے درمیان فریضہ عید کو ادا کرنے کے لئے آگئے۔ اُن کی کمان پر سٹاف سرجنٹ۔ ڈبلیو شیپرڈ۔ موجود تھے۔ ایک زخمی سپاہی بھی لکڑی ٹیکتا ٹیکتا ساتھ تھا مسلمان عمائد میں سے ہمارے آنریبل جسٹس عبدالرحیم صاحب جج ہائیکورٹ مدراس۔ مسٹر یوسف علی خاں صاحب سابق ڈپٹی کمشنر (صوبجات متحدہ) نواب عبدالکریم خاں صاحب نواب ریاست سچین۔ سیٹھ لطیفی تاجر لنڈن۔ اور دیگر عمائد تھے۔ آنریبل امیر علی صاحب سکاٹ لینڈ میں تشریف رکھتے تھے۔ اُن کی چٹھی آئی۔ کہ وُہ بہت دُور ہونے کے باعث شامل نہیں ہو سکتے۔ آنریبل مرزا عباس علی بیگ صاحب بھی لنڈن میں نہ ہونے کے باعث شامل نہ ہو سکے۔ لارڈ ہیڈلے صاحب معہ دو فرزندگان بھی کسی قدر دیر کے بعد تشریف لے آئے۔ پہلی گاڑی اُنھیں مل نہ سکی تھی۔ مسلم حاضرین کی تعداد جیسے کہ انگریزی اخبارات نے لکھا ہے۔ تین اور چار صد آدمیوں کے قریب تھی۔ ان کے علاوہ یک صد سے اوپر

زائرین تھے۔ مسجد میں اس قدر گنجائش نہ تھی۔ کہ نماز اندر ہو سکے۔ اس لئے مسجد کے صحن میں فرش کر دیا گیا۔ اور نماز ادا ہوئی۔ مؤذن مسجد عباد المحیی عرب اپنے عربی لباس میں تھے حضرت قبلہ مولوی صدر الدین صاحب نے نماز پڑھائی۔ جماعت پانچ صفوں میں تھی جس کی آخر صف یورپین نومسلم خواتین کی تھی۔ ووکنگ کی عید میں اس وقت انگلستان میں ایک خاص کشش کا موجب ہو گئی ہیں۔ اس لیئے بہت سے اخباروں کے نمائندے۔ اور مختلف گریفک پرچوں کے فوٹو گرافر نامہ نگار وہاں موجود تھے۔ ہمیں جو بعض انگریزی اخبارات میں فوٹو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ جو ہمیں اس میل میں آئے ہیں۔ اس میں نہایت ہی مؤثر اور دلکش آخری صف نماز ان خواتین کی ہے۔ ہم نے یہ انتظام کیا ہے کہ یہ سب فوٹو آجاویں جو انشاء اللہ ہم کسی قریبی آئندہ پرچے میں شائع کریں گے۔ الغرض نماز کے بعد حضرت مولوی صاحب نے خطبہ عید پڑھا جو بزبان انگریزی وارد و تھا۔ اردو خطبہ ان ہندوستانی مسلمان جان نثاروں کے لئے تھا۔ جو انگریزی نہ جانتے تھے۔ اس میں مولوی صاحب نے اُن کی جان نثاری اور وفاداری کی تعریف کی۔ اور ان کے اس اسلامی فرض پر زور دیا۔ جو اُن کو برٹش تاج سے وابستہ کرتا ہے۔ خطبہ چونکہ لمبا ہو گیا تھا۔ اور یہ جمعہ کا دن بھی تھا اس لیئے حسب حدیث نبوی اُس کے بعد نماز جمعہ بھی ادا کرا دی گئی۔ ان فرائض سے فراغت پانے کے بعد مسلمانوں کا آپس میں بغلگیر ہونا بھی ایک خاص اثر ناظرین پر رکھتا تھا جنکی ایک کافی تعداد اہل ووکنگ اور باہر سے اس موقعہ پر آگئی تھی۔ جو فوٹو اس موقعہ کے ہم نے دیکھے ہیں۔ اُن میں جہاں معانقہ کی تصاویر ہیں۔ وہاں ایک مسلم سپاہی نواب صاحب سپین سے بغلگیر ہوتا نظر آتا ہے مسلم کمیونٹی میں اور پھر خاص کر مسجد اور عید پر ایک والئی ملک کا ایک معمولی حیثیت کے سپاہی سے بغلگیر ہونا تو ایک معمولی سے معمولی بات ہے۔ لیکن یورپ میں یہ رنگ ناظرین پر ایک خاص اثر رکھتا تھا۔ کہ کس طرح اسلام نے اپنی مساوات کا عملی رنگ مسلمانوں میں پیدا کر رکھا ہے۔

نماز کے بعد کل مسلمانوں کو کھانے کے لئے دعوت دی گئی۔ یہ کل انتظام مسجد ووکنگ کے لنگر خانہ کی طرف سے تھا۔ ڈھائی صد سے اوپر مسلم اور غیر مسلم احباب نے کھانا کھایا بعض کا

انتظام منبر کرسی پر اور بعض کا انتظام فرش پر کیا گیا۔ کھانے سے فراغت ہونے پر مسلم مسلم پروسیشن ووکنگ کے بازاروں میں گشت کے لئے نکلا۔ اس کی ترتیب بھی خاص طور پر تھی۔ سب سے اوّل ہمارے بلال لنڈن شیخ نور احمد صاحب تھے۔ اُن کے پیچھے ہندوستانی سپاہی اپنے افسروں کے ساتھ باقاعدہ فوجی لباس میں تھے۔ اُس کے بعد باقی مسلم بھائی جن میں کل قوموں کے آدمی موجود تھے۔ اس پروسیشن میں ہندوستانی مسلموں کے بھڑکیلے لباس۔ اُن کی پگڑیاں۔ اُن کے زرین چغے۔ مختلف قسم کی جوتیاں الغرض یہ ایک خاص کیفیت ووکنگ کے ساکنین کے لئے پیدا کر رہی تھی۔ ہم اہل ووکنگ کے ہر طرح اور ہمیشہ ہی ممنون رہے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اُن سے کبھی کوئی بھی اذیت ہمیں پہنچے۔ وہ ہمیشہ ہمارے آرام کے معاون و مددگار رہے ہیں۔ یہ پروسیشن سب سے پہلے مسلم قبرستان میں گیا۔ جہاں سب نے متوفیان کی رُوح کے لئے فاتحہ اور دعا خیر کی اُس کے بعد شہر کے مختلف بازاروں سے ہوتا ہوا ریلوے اسٹیشن کے پاس سے ہمارے دوست مسجد میں پہنچے۔ یہ چار کا وقت تھا۔ چار کے اور نماز عصر کے بعد یہ جلسہ عید بخیر و خوبی ختم ہوا۔ اور مہمان خوشی خوشی گھر گئے۔ ان مہمانوں کی تواضع اور خاطر داری میں ہمارے نو مسلم انگریز بھائی بہنوں نے اور بعض مسلم طلباء نے خاص حصّہ لیا۔ کھانا ہندوستانی طرز کا تھا۔ ذیل میں ہم لنڈن کے مشہور اخبار ڈیلی گرافیک کے نوٹ کا لفظی ترجمہ دیتے ہیں جو ۱۴۔ اگست کے پرچے میں چھپا +

عید الفطر

مسلمانوں کا تیوہار ووکنگ میں

ہندوستانی اور جنگ

(از ڈیلی گرافیک لنڈن۔ مورخہ ۱۴۔ اگست ۱۹۱۵ء)

کل ووکنگ نے ایک خاص منظر دکھلایا۔ جو ہر رنگ میں مشرقی تھا۔ جبکہ مسلم باشندگان

سے نازک وقت پر آگ میں بھی اس امر کا لحاظ کریں۔

عورتیں اور بچے۔ (جن میں سے اکثروں کے سروں پر رومی ٹوپیاں تھیں) بھی نماز میں شریک ہوئے۔ جس سے فارغ ہو کر ہر ایک نے اپنے ساتھ والے سے نہایت محبت آمیز معانقہ کیا۔ اور ہر طرف سے السلام علیکم اور اُس کے جواب میں وعلیکم السلام سنائی دے رہا تھا۔ لنچ اس کے بعد ہوا۔ جس میں سینوئیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور جو اس موقعہ پر لازمی طور سے کھائی جاتی ہیں +

ایک اور نومسلم اور ایک بلند طبقہ کا گھرانہ

اور اُن کا اسلام

مبارک! مبارک!! مبارک!!!

پہلا جمعہ لنڈن کے نئے مکان میں جو پندرہ سو روپیہ سالانہ کرایہ پر لیا گیا ہے بڑا مبارک ہوا۔ ایک شخص نے عین خطبہ کے درمیان اعلان اسلام کیا۔ نماز کے بعد ایک خبر بذریعہ انڈیا آفس آئی۔ کہ سیجر لیگ کے ہاں اُن کی بیوی کی دادی فوت ہوگئی ہیں۔ اور وہ مسلمان تھیں۔ اُن کی پوتی بیتاب ہیں۔ کہ آیا انگلستان میں کوئی مسلمان میسر آسکتا ہے۔ جو جنازہ وغیرہ کا انتظام کردے۔ ہم نے اُن کو امام انگلستان کی بابت اطلاع دے دی ہے۔ اور وہ آج آپ کی انتظار میں ہیں۔ بغیر کھانا کھائے میں خوشی کی وجہ سے اس طرف بعد از نماز چل دیا۔ وہاں جا کر عجب مسرت حاصل ہوئی۔ ایک نہایت ہی شان دار مکان کے اندر گیا۔ جہاں ایک نہایت ہی شان دار خاتون بیٹھی تھیں۔ میں نے

یہ فرض کر کے - کہ دادی کا رنگ پوتی پر بھی ضرور ہوگا - بجائے انگریزی سلام کے السلام علیکم کہا - اُنھوں نے اُسی لہجے سے وعلیکم السلام کہا - گویا اُن کے ہاں رواج ہی اس سلام کا ہے - اُن کو دادی صاحبہ کے فوت ہونے سے بڑا درد تھا - کہا کہ بے نظیر نیک مسلم خاتون تھیں - مجھے اُن سے عشق تھا - آؤ اُن کی زیارت کراؤں - دُوسرے کمرے میں لے گئیں وہاں اس پاک صورت کو آرام میں لیٹے ہوئے دیکھا - اُن کے لیئے دُعا کی - وہاں جا کر اُن کے ایمان کی کیفیت نظر آئی - کیا دیکھتا ہوں - کہ اُن کی چھاتی پر قرآن کریم رکھا ہے اور قرآن کریم پر اُن کے ہاتھ رکھے ہوئے تھے - یہ عجیب اخلاص و ایمان کا نقشہ دیکھا - ہاں! قرآن کریم کی خوبصورتی دیکھ کر بھی بڑی خوشی ہوئی - وُہ قرآن کریم اس قیمت کا ہے - کہ شاہان مغلیہ کے سوا نہیں مل سکتا - جلد اور صفحات سب کے سب نہایت ہی قیمتی ہیں - اور سُنہری اور دُوسرے طرز کے کام کی خوبصورتی بے نظیر ہے - یہ بھی اُن کے ایمان اور اُن کی حیثیت کی دلیل تھی -

کہا - کہ یہ قرآن کریم اُن کے ساتھ دفن کروں گی - میں نے پسند نہ کیا - کہ ایسی خوبصورت اور ایسی قیمتی چیز مدفون ہو جائے - اِس کے عوض میں نے اُن کو ایک قرآن کریم دیا ہے کہ ساتھ دفن کر دیں - مجھے اس کاپی کے بچانے میں خود غرضی تو بالکل نہیں تھی - اِس لیئے میں نے اُن کو ساتھ یہ بھی کہہ دیا - کہ میں چاہتا ہوں - کہ آپ کے خاندان میں یہ تحفہ بطور وراثت چلا جائے - اب اُنھوں نے اُسے محفوظ کر لیا ہے - یہ تھی اُن کی محبت اپنی دادی صاحبہ کے لیئے - اُن کی وفا - اُن کی محبت اور عشق پر بھی طبیعت قربان ہوگئی - ظاہری حسن بھی اُنکو اللہ تعالےٰ نے بہت بڑا دیا ہے - لیکن باطنی خوبصورتی سے بھی بڑا حصّہ پایا ہے - عورت ہو یا مرد ہو - اگر اُس میں اخلاص اور وفا ہو تو وہ وجود دُنیا کے لیئے بڑا قیمتی وجود ثابت ہوتا ہے پھر اپنا نشان دار مکان دکھایا - بڑا آراستہ پیراستہ تھا - مجھے خوش کرنے والی اور میرے دل میں انبساط کی لہریں اُٹھانے والی چیزیں - ان کے اعلےٰ درجے کے عربی قطعات تھے - جو مکان کی دیواروں کو مزیّن کر رہے تھے - اور اُن کے ایمان اور اخلاص پر شاہد تھے - اور آپ سمجھ سکتے ہیں یہ خوشی کتنی بڑھ جاتی ہے - جب کہ یہ خیال کیا جائے - کہ یہ اسلامی

مکان انگلستان میں موجود ہے۔ ایک قطعہ یہ تھا۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقت لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولینا فانصرنا علی القوم الکافرین یہ قطعہ لکڑی کے تختہ پر اس طرح سے کندہ کیا ہوا تھا۔ کہ لکڑی کے حروف بڑے نستعلیق خط میں بجائے گہرا ہونے کے ابھرے ہوئے تھے۔

جہاں وہ خاتون بڑی ہمت اور مردانہ شوکت رکھتی ہیں۔ وہاں محبت سے بھرا ہوا دل اور اخلاق بھی اعلےٰ درجہ کے رکھتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں خاطر و تواضع سے مجھے گرویدہ کرلیا۔ اور بڑا اکرام اور عزت کی۔ پھر دیر تک بیٹھا رکھا۔ اپنی اور اپنے کنبہ کے اسلام کی داستانیں سنائیں۔ کہا میرے دادا بھی مسلمان تھے۔ ان کا نام احمد فیرس تھا۔ اور میرے باپ مسلمان تھے۔ اور وہ فرانس میں کانسل تھے۔ اپنے خاوند کو میں نے مسلمان کیا۔ پیشتر اسکے کہ اُن سے نکاح کرتی وہ اِس وقت میجر ہیں۔ جزیرہ مالٹا میں ہیں۔ اُن کا نام بھی میں نے خود رکھا۔ اُن کا نام نور جمال الدین ہے۔ میرے بچے سب مسلمان ہیں۔ میں نے کہا انھیں بلائیے۔ وہ آئے اور مجھے آکر لپٹ گئے۔ ایک کا نام احمد ہے۔ لڑکی کا نام صفیہ ہے تیسرے بچے کا نام سلیم ہے اور چوتھے بچے کا نام ابھی نہیں رکھا۔ یہ تمام باتیں انتہا درجہ کی راحت افزا تھیں۔ اُن کو اس بات کی بڑی خوشی ہوئی۔ کہ اسلامی جنازے کا سامان ہوسکتا ہے۔ اور یہاں ایک کیا بہت مسلمان انگریز مرد اور خواتین موجود ہیں۔ اُنھوں نے اپنے خاوند میجر لیگ نور جمال الدین صاحب کو تار دیا۔ وہ پرسوں پہنچے۔ کل قبر کی زمین دیکھنے کے لیے مقام بروگوڈ جارہے تھے مجھے تار دیا۔ کہ ہم وہاں جارہے ہیں۔ آپ ملیں خیر میں نے اُن کو ووکنگ میں اُتار لیا۔ وہ مسجد میں آئے۔ خانہ خدا کو دیکھ کر ان کو بڑی خوشی ہوئی۔ گھر میں تشریف لائے۔ چاء وغیرہ نوش کی۔ یہ دوسری ملاقات تھی۔ لیکن اُن کے اخلاق ایسا ظاہر کرتے ہیں۔ کہ گویا مدتوں کا تعلق ہے۔ اب بڑے زور سے میاں اور بیوی کی درخواست ہے۔ کہ جب کبھی میں لنڈن جاؤں۔ کھانا اُن کے ہاں کھاؤں اُن کے ہاں آرام کروں۔ ان کو معلوم ہے پرسوں جمعہ کا دن ہے۔ پہلے سے دعوت دیکھی ہے

جو خاتون فوت ہو چکی ہیں۔ اُنھوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔ نامکمّل چھوڑ کر فوت ہوگئیں
اُن کے خاوند احمد فیری نے بھی لکھی تھی۔ یہ کتابیں غالباً مجھے مل جائیں گی۔ یا اُنھیں کو
زور دُوں گا۔ کہ شایع کرو۔ والسّلام (صدرالدّین)

اشاعت اسلام

حضرت مولانا مولوی صدرالدّین صاحب کے منقولہ بالا خط کو پڑھ کر دل یک لخت تشکّر و امتنان سے بھر گیا۔ اور حضرت خواجہ صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار نے اِس قلبی کیفیّت کا اظہار کرنے میں تھوڑی بہت مدد کی۔ منیجر

نظم

مے سزد گر جاں شود در راہ تو اے جاں نثار — ایں چہ یکجان است قربانت اگر باشد ہزار
اینچہ افضال اینچہ احسان اینچہ الطاف عمیم — جبر تم مارا چہ دیدی در من اُفتادہ کار
للّٰہ الحمد آمدہ ابرِ کرم یک دم بہ جوش — مے وزد باد محبّت از یمین و از یسار
وقت آمد در خیابان خیمہ ہائے خود زنیم — نغمۂ توحید بسرائید شد وقت بہار
مُدّتے شد خشک شد نخلے کہ تثلیث است نام — نخل بُستان حجازی آورد صد برگ و بار
ہاں ہژبران عرب خیزید از خواب گراں — بہر صیدِ ماغزالانِ فرنگی صد ہزار۔

نصرت ما منحصر بر اتفاقِ قومِ ما
تا بکے ایں خانہ جنگی ایں فساد و ایں نفار

یسوعؑ

الوہیت اور انسانیت کا ایک نمونہ

(لا الٰہ الا اللہ)

از خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ (لنڈن)*

"میرے حضور تیرے لئے دُوسرا خدا نہ ہووے" (خروج ۲۰/۳) یہ ارشاد خدائے اسرائیل نے موسےٰ کو فرمایا۔ اور جس قدر حکم ربّی تاکیدی تھا۔ اِس کی تعظیم اس کی تعمیل کی بجائے اُس کی خلاف ورزی میں کی گئی۔ خدائے تعالےٰ کی طرف سے بُت پرستی کے خلاف بار بار تہدید ہوتی رہی۔ لیکن اسرائیل کے گھرانے نے "بیگانے الٰہوں کا پیچھا کیا اور اُن کی بندگی کی اور سجدہ کیا"۔ وہ "غیور خدا" کے قہر و غضب کی تو برداشت رکھتے تھے۔ لیکن تراشی ہوئی مورت کا چھوڑنا۔ اُن کے لئے دشوار تھا۔ مگر اسرائیل ہی بنی نوع میں کا بد ترین نہ تھا۔ دُنیا کے مختلف حصص میں جہاں کہیں انسان تھے اُنھیں اپنی آتما کنتی اور اپنی رُوحانی ترقی۔ اپنے ہاتھ کی بنائی مورتوں کے آگے سر جُھکانے میں ہی نظر آئی۔ ہندی۔ مصری۔ ایرانی۔ سریانی۔ رومی۔ یونانی ان سب نے نوبت بنوبت مختلف علوم و فنوُن میں ترقی کی۔ لیکن خدائے واحد کی پرستش کی۔ حقیقت جو چار ہزار برس ہوئے کوہ سینا پر تلقین کی گئی تھی۔ اور جس کی گونج پھر کوہ زیتون پر سُنائی دی گئی۔ اُن کے فہم سے بالا ہی رہی۔ مسیحی کلیسیا بھی مُدت تک ابتداء میں اپنے گلہ کو قدیم عادت بُت پرستی سے بچا نہ سکا۔ رومی۔ یونانی افسانے کلیسیا میں آ گھسے۔ اور پرانے دیوی دیوتاؤں نے رومن کیتھولک طریق تقدیس کے ذریعہ بہ تبدیلی نام و مقام کلیسیا میں مقدّس جگہ

* حضرت خلیفۃ المسیح نے اِس مضمون کو پڑھ کر یہ تحریر فرمایا۔ "میں نے اسے غور سے پڑھا پسند کیا۔ خواجہ کیلئے دُعا کی" والسلام

حاصل کر لی۔ شرک بہرحال ایک نہ ایک رنگ میں انسانی طبائع پر غالب رہا حتیٰ کہ جناب خاتم النبییّن صلے اللہ علیہ وسلّم دنیا میں مبعوث ہوئے۔ جن کے ہاتھ سے عرب میں شرک نے ہمیشہ کی موت دیکھی۔ ماسوا اللہ کی پرستش ایسی مری کہ پھر نہ اُٹھی۔ اور خدا کے آخری کلام نے توحید کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا۔ کہ آج مشرکانہ فطرت والے بھی توحید کے آگے مجبوراً سر جھکاتے ہیں۔ ہاں اس کی خلاف ورزی میں جو اُن سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اُس کے لیئے اُنھیں ہر وقت ایک نہ ایک توجیہہ کی ضرورت رہتی ہے۔

مضمون زیر قلم کے دائرہ سے میں نے اس سوال کو باہر رکھا ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں الوہیت مسیح کا کیا مفہوم تھا اور پھر زمانہ کے ساتھ ساتھ کس طرح وہ مفہوم بدلتا گیا۔ یہاں اسی قدر کہدینا کافی ہے۔ کہ موجودہ طبائع نے مسیحی دنیا میں پُرانے مسائل سب ترک کر رکھے ہیں۔ اور آج کل کے دل و دماغ ایک سے زیادہ خدا ماننے سے اب بہت ارفع ہیں۔ بلکہ فی زمانا عیسائیوں کے متعلق یہ کہدینا۔ کہ وہ قدیمی عیسائیوں کی طرح تین خدا مانتے ہیں خود ایک قسم کی ناواقفیت اُس عقیدہ سے ظاہر کرتی ہے۔ جو اُنھوں نے موجودہ علم الٰہیات مغربی کے ماتحت قائم کر رکھا ہے۔ وہ تو کہتے ہیں۔ کہ ہم بھی ایک خدا اور صرف ایک ہی خدا کے قائل ہیں۔ ہاں خداوند مسیح اُسی خدا واحد کے مظہر ہیں۔

بیشک یہ امر تو محالات سے ہے۔ کہ محدود احساس کا انسان۔ لامحدود ذات کو سمجھ سکے۔ انسان کی اپنی کوشش کا انتہا تو یہی ہے۔ کہ وہ ایک طاقت کا قائل ہو اور یہ سمجھ لے کہ ایک لامحدود ابدی طاقت ان تمام اشیائے عالم کا ماخذ ہے۔ اور اِس امر سے نہ تو سائنس کو اور نہ کسی متشکک طبع کو کبھی انکار ہوا ہے۔ خود حکیم ہربرٹ سپنسر کا قول ہے کہ "ہم اسباب و علل کی تلاش میں جب تک مسئلہ علت اولےٰ کے قائل نہ ہوں۔ ہم کسی نکتہ پر قائم نہیں ہو سکتے۔ اور فی الحقیقت علت اولےٰ کے ماننے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ اور ہم کو مجبوراً اُسے لامحدود اور ابدی ماننا پڑتا ہے" لیکن کیا اس علتِ اولیٰ کا علم ہونا محالات سے ہے؟ کیا اُس کے تمام کام میں حکمت علم اور ترتیب نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا اس علت اولےٰ کے لیئے یہ امر عجز اغلب ہے۔ کہ وہ اپنے

بعض صفات وحالات کا علم اپنی مخلوقات کو دے۔ جو علم وہ مخلوق از خود حاصل نہیں کر سکتی۔ اور کیا ایسا ہونا محال ہے" اس کے برعکس قیاس کرنا" جیسے کہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے" نہ صرف حکمت سے ہی دور ہے بلکہ بیہودہ بھی ہے"۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ ٹھنڈے اور تعصب سے پاک دل کے ساتھ اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے۔ اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام اندرونی اطوار کو دیکھے کہ جن پر عیسائیوں کے اِس عقیدہ کا مدار ہے۔ کہ اُس عظیم علت العلل اور باعث ادلے لاتے یسوع مسیح میں اپنے اخلاق کا اظہار کیا۔ اور اُس کے ذریعہ وُہ بنی نوع کے ساتھ ہمکلام ہوا" اگر انسان صرف مادہ کا مادی مجموعہ نہیں بلکہ اس میں ذہنی اور اخلاقی قوٰے بھی ہیں۔ اور اگر انسانی اخلاق اُسی خدا کے اخلاق ہیں۔ کہ جس کی وہ تصویر ہے۔ تو کیا یہ دل پسند امر نہیں۔ کہ انسان کی پیروی اور تقلید کے لیئے بطور نمونہ خدا خود انسان میں ظاہر ہو۔ جس کی اتباع میں ہمارے کل اخلاقی قوٰے مکمل اور نشوونما پالیں۔

جب مسیح کی ذات یکتا کو دیکھا جاوے۔ اُس کی معصوم اور گناہ سے پاک زندگی پر نگاہ ڈالی جاوے۔ اُس کا موت کے بعد جی اٹھنا۔ اُس کے معجزات وغیرہ وغیرہ۔ یہ اُمور بقول عیسائی صاحبان ایسی صفات الٰہیہ ہیں۔ جو مقدس کنواری کے مبارک فرزند میں ظاہر ہوئے ہیں یہ چند باتیں۔ عیسائی صاحبان آج کل اُلوہیت مسیح کی توجیہ میں بیان کیا کرتے ہیں۔ نہ تو میں ان مذکورہ بالا مقدمات کی صحت پر کچھ کہنے کی ضرورت سمجھتا ہوں اور نہ اُن صحائف کی اصلیت کے متعلق کوئی جرح کرنی ضروری ہے۔ کہ جو امور بالا ماخذ ہیں میں ان تمام موجبات کو جس طرح پر پیش کیئے گئے ہیں سردست تسلیم کر لیتا ہوں۔ لیکن کیا اِن مسلمات سے وُہ نتائج اخذ ہو سکتے ہیں جو نکالے گئے ہیں۔ یہ ایک سوال ہے۔ کہ جس کا جواب اثبات میں دینے کے لیئے مجھے تامل ہے اور میں طیار نہیں۔

پیغمبر ناصری کے معجزات یا اُس کی تعلیم یا اُس کی معصوم زندگی۔ یا اُس کے اپنے مُنہ بولے جلالی مقتدرانہ الفاظ۔ جو بناء اُلوہیت سمجھے گئے ہیں۔ ان باتوں کے متعلق

مَیں بعد میں اپنی رائے ظاہر کروں گا۔ علاوہ ازیں اِن وجُوہ کی بنیاد پر مسیح بے عدیل اور یکتا نہیں ہو سکتا۔ دُنیا کی تاریخ نے بہتیرے عظیم الشان انسان دیکھ چھوڑے ہیں جو ان وجوہ پر اگر یہ کافی ہوں تو مسیح کے ساتھ ساتھ مُدعی اُلوہیّت ہو سکتے ہیں۔ میں سردست سب سے پہلی دلیل پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اور دلائل کے مقابل یہ دلیل مجھے زیادہ دل پسند ہے۔ اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ بظاہر دیکھنے کو یہ یقین دلاتی نظر بھی آتی ہے۔

کیا مسیح صفات الٰہیہ کا مظہر ہے؟ اگر اپنے صفات کاملہ اور اپنے جلال کے ظہُور کے لیئے خدا کو یہی پسند ہو۔ کہ وُہ انسانی پیدائش لے۔ اور اِس قدر نیچے بھی اُتر آئے۔ کہ اور انسانوں کی طرح کھائے اور پیئے اور پھر اِس اکل و نوش کے نتائج بھی بھگتے۔ تو پھر یہ امر بھی قابل توجیہہ ہو سکتا ہے۔ کہ اُس میں معمُولی انسانوں کی سی معمُولی نقص اور کمزوریاں بھی ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے بھی اِس قدر تو غیر معقول پسند نہ ہونا چاہیئے۔ کہ میں عورت کے رحم سے نکلے ہوئے، خدا سے اُن صفات بے ہمتا۔ اور اُن فوق الانسان وراء الوراء اوصاف مثلاً علم کل۔ قدرت تامہ۔ صفت حاضر ناظر وغیرہ وغیرہ کی توقع رکھوں۔ جو دُنیا کے ہر حصّہ میں ہر وقت درست طور پر خدا کے متعلّق از قسم لازمات سمجھی گئی ہیں بقول عیسائی صاحبان یہ بات تو ہمیں ہمیشہ ہی نصب العین رکھنی چاہیئے۔ کہ ابن آدم اگر خدا تھا تو انسانی جامہ میں تھا۔ اور اگر خداوند کے جلال اور اُس کی صفات نے ظہُور پایا تھا۔ تو احاطہ انسانیت کے اندر اندر ظہُور پایا تھا۔ اور ساتھ ہی زمان و مکان کے ان بے رحمانہ اور پُر از ظلم قیود کے ماتحت رہ کر جن کا شکار انسان جیسا ہیچمکار اور بے کس مخلُوق ازل سے ہو چکا ہے۔ لہذا ان حالات کے ماتحت یہ امر کوئی حیرت بخش امر نہیں کہ خدا کو جامہ مظہریت میں بہُت سی باتوں کا علم نہ تھا۔ مثلاً خداوند نے اعتراف کیا ہے۔ کہ وُہ آخری گھڑی سے بالکل ناواقف ہے۔ اُس گھڑی کا علم خدا کو بحیثیّت باپ تو ہے۔ لیکن جب وہ بیٹا بنا۔ تو نہ صرف اس کو وہ گھڑی معلوم ہی نہ رہی۔ بلکہ اُس آخری وقت کا علم اُس کے امکان سے بھی باہر ہو گیا۔ خدا کی ان دو فطرتوں کی حقیقت سمجھنے کے لیئے شاید اُس کا واقعہ درخت انجیر بہترین تشریح ہے (مرقس ۱۱/۱۲)۔ خداوند کو بھوگ

لگی ایک۔ انجیر کا درخت پاس تھا۔ اُس پر پتّے بھی تھے۔ خداوند اُس کے پاس اس خیال سے گیا۔ کہ شاید اُسے کھانے کو کچھ مِل جاوے۔ اور جب وہ درخت کے نزدیک گیا۔ تو اُس میں پتّوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اِس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ خداوند صرف علم کل سے ہی بے بہرہ نہ تھا۔ بلکہ معمُولی مشاہدہ انسانی سے بھی معرّا تھا۔ کیونکہ وُہ وقت انجیر کے پھل دینے کا نہ تھا۔ لیکن خداوند تو انسان بھی تھا۔ اور اِس لیئے اُس سے وہی صادر ہُوا جو کِسی ہم جنس انسان سے، بھُوک سے تنگ آکر صادر ہُوا کرتا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات ہے؟ ہم بھی بعض وقت کِسی جذبہ یا خواہش سے مغلُوب ہو کر معمُولی عقل سے گری ہوئی باتیں کر دیا کرتے ہیں۔ ہُوا کیا اگر خداوند نے درخت جیسی بیجان چیز پر اپنی ناراضگی اِسلیئے ظاہر کی۔ کہ وُہ اُس کی اُشتھا کے دفعیّہ کا سامان مہیّا نہ کر سکا۔ یہ تو وہی بات ہے۔ جو ہم سے بھی جب ہم اپنی اُمید یا توقع میں ناکام ہوتے ہیں۔ بیجان چیزوں کے برخلاف صادر ہُوا کرتی ہے۔ لیکن یہ ساری باتیں عیسائی نکتۂ خیال سے خداوندی جلال کے ظہُور کے ضرُوری مقدّمات تھے۔ جس نے خداوند کے اِس کلام میں ظہُور پایا۔ کہ آج سے بعد کوئی اِنسان تُجھ سے پھل نہ کھا سکے گا۔ اور وہ درخت ہمیشہ کے لیئے مُرجھا گیا ہم یہ تو جانتے ہیں۔ کہ عہد جدید میں یسُوع کے متعلق بُہت سی ایسی باتیں لکھی موجود ہیں۔ جو کل دُنیا کے مفہُوم الوہیت کے قطعاً قطعاً منافی ہیں۔ لیکن الوہیت مسیح کی تو شان ہی اور ہے۔ وُہ تو اِس لیئے اپنے باپ کے ساتھ ہم جلیس ہے۔ کہ اُس کی ذات میں خدا کے بعض اخلاق نے ظہور اور نشو و نماء پایا۔ واللہ اُن علو شان فوق الانسان صِفات کو جو قادرِ مُطلق خدا کی شان کے شایان ہیں۔ یسُوع کو کوئی بھی تعلّق نہیں۔

جب خدا میں شخصیّت ہے۔ اور انسان اُس کی تصویر پر ہے۔ تو ربّانی تصویر کے اخلاق و اوصاف کا ظہُور بھی تو صرف اُسی خدا میں ہو سکتا ہے جو انسان بھی ہو اور خدا بھی ہو لیکن کیا یسُوع اِن ربانی اخلاق کا مظہر تام تھا۔ ایسا ہی اگر اِنسان کا اصل جس پر اُسکی ساخت ہے۔ خود خدا ہے۔ تو پھر جو اخلاق اور اوصاف انسان میں پائے جاتے ہیں وُہ بالضرور اخلاق الٰہیہ ہیں۔ اور اگر اِنسان کے اخلاق۔ بذاتِ خود ایک حقیقت ہیں

جو باقاعدہ اصلاح پاکر کل دُنیا کے حکمران ہو جاتے ہیں - تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ تمام کے تمام انسانی اخلاق یسوع کے اندر تہذیب اور نمو حقیقی حاصل کر گئے - صبر تحمّل حلم محبّت - لاریب - انسان کے اعلےٰ اخلاق ہیں - اور اپنے اندر ربّانی فطرت بھی رکھتے ہیں لیکن کیا یہ نرم بردبارانہ خلق کل کے کل انسانی اخلاق کی لمبی چوڑی فہرست پر حاوی ہیں - کیا انسانیت کے لوازمات میں بعض اور عاملانہ گرم اور تیز اخلاق شامل نہیں مثلاً شجاعت - عدالت - سخاوت - امانت وغیرہ وغیرہ - اور کیا یسوع کو وہ مواقع نصیب ہوئے - کہ جو ان اخلاق کے ظہور کے لیئے لازمات سے ہیں - کیونکہ جب تک کسی اخلاقی جوہر کے عمل میں لانے کا موقعہ کسی کو میسّر نہ ہو - کسی میں کسی استعداد کا امکان اُس کی حقیقت کا کوئی ثبوت نہیں - خدا نہ کرے میں یسوع کی شان میں یہ کہوں کہ اُس سے وُہ باتیں صادر ہوئیں جو صفات بالا کے خلاف ہیں - میرا مطلب یہ ہے - کہ کسی میں منفی خلق کا ہونا - یعنی اُس کا کسی خاص خلق کی خلاف ورزی نہ کرنا خصوصاً جب وہ معلم اخلاق بھی ہو - کوئی حقیقی خلق نہیں - ایسے منفی خلق کے رکھنے میں کسی کا خرچ یا حرج ہی کیا ہوتا ہے - اور علاوہ ازیں یہ اُس شخص کے لیئے کیا سبق ہو سکتا ہے - جو عملی نمونہ کا محتاج ہے -

کسی بزرگ کی زندگی کے اخلاقی پہلو پر محاکمہ کرتے ہوئے لوگوں سے عموماً ایک غلطی ہو جاتی ہے - اور یہ غلطی کچھ اس قسم کی خطرناک غلطی ہے - کہ نامعلوم طریق پر یہ غلطی ان لوگوں کے محاکمہ پر بھی اثر ڈال دیتی ہے - جو اور طرح اپنے بے تعصّبانہ طریق تنقید کے لیئے مشہور معروف ہیں بعض وقت بعض معلّم اپنے خطبات اور وعظوں میں اپنے سامعین کو بعض محاسن کی تاکید کرتے ہیں اور سمجھ لیا جاتا ہے - کہ اُن معلّمین میں وُہ محاسن بھی تھے - لیکن یہ غلطی ہے اور بڑی فاش غلطی ہے - اور یوں تو کسی قوم کی ادبی کتابیں اخلاق کے سبق سے خالی نہیں - ان کتابوں میں اخلاق کے بعض ایسے زرّیں اصُول ہوتے ہیں - کہ جو کسی پیغمبر یا خود خدا بجا مہ انسان کے شایان ہو سکتے ہیں - اِن کتابوں میں جو لکھا ہوتا ہے - اگر ان کے مصنّفین کے اخلاق کی شہادت سمجھ لی جاوے

تو پھر مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہ ہمیں لارڈ بیکن کے اخلاق کے متعلق اپنے موجودہ محاکمہ کو بدلنا پڑے گا کسی معلّم اخلاق کو خواہ اُس کے دعاوی کیسے ہی الوہیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اُن اخلاق کو رکھنے کی عزت نہیں دینی چاہیئے۔ جو وہ اوروں کو تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ جب تک کہ وہ خود اپنی مثال میں اپنے مواعظ کو عمل کا لباس نہ پہنادے۔ اس صداقت کو شاید مصنّف انوار سہیلی کی طرح نہ کسی نے کم سمجھا ہوگا۔ اور نہ عملی رنگ میں دُنیا پر ظاہر کیا ہوگا انوار سہیلی فارسی علم ادب میں ایک اخلاق پر مشہور کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنّف نے جو اخلاق ناظرین کتاب کو تعلیم کرنے چاہے ہیں۔ اُن کو پرندوں اور جانوروں کے منہ میں ڈال دیا ہے۔ اور بات بھی سچ ہے۔ اگر کوئی معلّم اپنی تعلیم کو خود عمل میں نہیں لا سکتا۔ تو پند بر دیوار یا پند بر لب میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اخلاق تو عمل کے ذریعہ ہی عمدہ طور پر سکھائے جا سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ضرب المثل کے طور پر مثال کو وعظ پر ترجیح دی گئی ہے۔

اِس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ کہ ہر ایک انسان کی کوئی استعداد بعض حالات کے پیدا ہونے پر ہی حقیقت ہو سکتی ہے۔ ایک انسان بڑا اخلاق کے سبق دے اور یہ بھی ممکن ہو۔ کہ اُس میں اُن تعلیم دادہ اخلاق کی استعداد بھی ہو۔ لیکن وہ اُن اخلاق کا مدعی اسی وقت تک ہو سکتا ہے۔ کہ جب اُس کی زندگی میں کسی خاص خلق کے مناسب حال خاص حالات پیدا ہو گئے ہوں اور وُہ خلق عملاً اُس سے ظاہر ہوں۔ مثلاً یسوع کا ایک شاندار حکم کے ساتھ اسرائیلی ٹھٹھوں اور مذاقوں کو برداشت کرنا۔ اُس کا ایک حیرت بخش صبر کے ساتھ زندگی صعب ناک مصائب و ابتلا کو بطور ایک شہید صداقت اٹھانا۔ یہ واقعات ہیں جن سے یسوع۔ صبر۔ علم اور تحمّل کا قابل رشک مالک سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ واقعات اُس کی زندگی میں پیدا نہ ہوتے۔ تو وُہ ان نرم اخلاق کا ایک قصّہ گو سمجھا جاتا۔ واقعی یہ ایک بڑی بھاری بدقسمتی ہے۔ اور اس پر جس قدر رنج کیا جائے تھوڑا ہے۔ کہ بعض حالات نے جن پر افسوس ہے۔ کہ خداوند کو بھی قابو نہ تھا۔ خداوند کے ایام بعثت کو مختصر کر دیا۔ اور دُنیا کے ہاتھ سے ایک شاندار موقعہ جاتا رہا۔ ممکن ہے بہت سے اخلاق

الٰہیہ جو ممکن ہے کہ یسوع میں تھے۔ عملاً ظہور پا لیتے۔ اور تو اور وہ خاص صفت عفو۔ جس کا اس قدر چرچا۔ عیسائی علم ادب میں کیا جاتا ہے۔ وہ بھی یسوع کے ہاتھ سے کامل نمونہ کو نہ پہونچ سکا۔ بات یہ ہے کہ خلق عفو کا ظہور بھی اور خلقوں کی طرح خاص حالات کی موجودگی چاہتا ہے اور جب تک وہ حالات کسی میں موجود نہ ہوں انصاف اجازت نہیں دیتا۔ کہ کسی کو اس خلق کا مالک ظاہر کیا جاوے۔ اس شریف خلق کے حاصل کرنے کے لیئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اوّل تو تمہارے بعض دشمن ہوں جنھوں نے بے رحمی اور ظلم سے تمہارے ساتھ سلوک کیا ہو۔ دوسرا یہ کہ حالات کے بدلنے پر تمہارے دشمن تو مغلوب ہو جاویں اور وہ دشمن تمہارے قابو میں آجاویں۔ اور سب سے آخر گو عظمت میں سب سے اوّل یہ کہ تمکو اپنے دشمن کو سزا دینے کی طاقت تو حاصل ہو۔ لیکن تمہاری شریف فطرت تمھیں اُن کو معاف کر دینے پر طیار کر دے۔ صفت عفو کی طرح صفت رحم کا ظہور بھی اُسی سے ہو سکتا ہے۔ اور وہی اس خلق کا بھی مالک ہے۔ جس کے آگے کوئی رحم کا ملتجی ہو کر آوے۔ اور جب تک کسی کو یہ مقدرت اور حیثیت حاصل نہ ہو جس کا جی چاہے رحم کے خطبے اور وعظ سُنالے یہ خالی الفاظ ہی ہیں جو بے حقیقت ہیں۔ علاوہ ازیں یہ تو ہمارا روزانہ تجربہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص صاحب طاقت ہو۔ اور اُسکا ظلم رسیدہ حالت مظلومیت اور ساتھ ہی بیچارگی میں ظاہر کر دے۔ کہ مَیں نے اپنے ظلم رسان کو معاف کیا۔ تو یہ اظہار معافی صاحب طاقت اپنے لیئے مہربانی نہیں بلکہ بعزّتی سمجھا کرتا ہے۔ ایسا عفو تو ہمیشہ حقارت سے دیکھا گیا ہے اور اس کی کبھی بھی قدر نہیں کی گئی +

اِس میں شک نہیں کہ یسوع نے عین صلیب پر اپنے تکلیف دینے والوں کے لیئے عفو کی دعا مانگی۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر تو ہوتا ہے۔ کہ اس وقت اُس کے دِل میں یہ کیفیت بھی تھی۔ لیکن جو خیالات اور کلمات یسوع کے مُنہ سے اپنے دشمنوں کے حق میں حالت صلیب میں نکلے۔ وہی خیالات اور اُس قسم کے کلمات دُنیا کے دیگر مشاہیر نے بھی ہمچو قسم مصایب کے ماتحت کہے اور ظاہر کیے اور اس معاملہ میں یسوع میں کوئی خاص

یکتائی نہیں۔ بہرحال صفت عفو کا ظہور یسوع کی زندگی میں حقیقت کو نہ پہنچ سکا۔ اِس خلق کے تین شرائط مذکورہ بالا میں صرف پہلی یسوع کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ لیکن باقی دو شرائط موجود نہیں۔ یہ صفت اور چھ سو برس تک پردہ کتم میں رہی جب اِس خلق نے اپنے ظہور کا حقیقی موقعہ اور محل نبی عرب صلعم کے زمانہ میں پایا۔ جبکہ خداوند دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ۔ بیت عتیق کے دروازوں پر محمدؐ کی شکل میں پہنچا۔ قدیمی نوشتے پورے ہوئے۔ اور مکہ فتح ہوا جس کے فتح کرنے میں ایک قطرہ خون سے بھی زمین مکہ ملوث نہ ہوئی اور یہ ایک واقعہ ہے۔ جو کل دُنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ مکہ میں دشمنان پیغمبر اُسے اور اُسکے متبعین کو برابر تیرہ برس تک اِس قسم کے وسیع سلسلہ مظالم کا زیر مشق کرتے رہے۔ کہ جو اپنی کیفیت اور کمیّت میں دوسروں کی زندگی کے صعب ناک ابتلا سے بھی بڑھ گئے۔ آخرکار دشمنان پیغمبرؐ نے نیچا دیکھا۔ اور وُہ سب کے سب اُسی کے رحم پر چھوڑے گئے۔ جو مدّتوں اُن کے مظالم کا شکار رہا تھا۔ یہ ظالم ہر ایک ایسی سزا کے بھی مستحق تھے۔ جو انسانی وہم یا دماغ تصوّر میں لاسکتا ہو۔ اور اُن کو اِس قسم کی سزا دینا عین معدلت گستری اور لفظ شعاری تھی۔ محمدؐ بھی اگر اپنے دشمنوں کو رامچندر یا کرشن یا یوشع کی طرح سزا دیتا جیسے ان بزرگوں نے اپنے دشمنوں پر غلبہ پاکر دی تو بالکل حق بجانب ہوتا۔ لیکن وہ خلق عفو جسکو ابن اللہ بھی اپنے وجود میں ظاہر نہ کرسکا (کیونکہ خداوند کا قابو بعض خاص حالات پر نہ رہا۔ جنھوں نے خداوند کے مشن کو جلد ختم کردیا) اپنا ظہور چاہتا تھا اور اگر محمد صلعم کے ہاتھ سے اُس کا ظہور نہ ہوتا۔ تو ممکن ہے۔ کہ ہمیشہ کے لیئے وُہ پردہ کتمان میں رہتا۔ خدا کی طرف سے مختلف اوقات میں مختلف انبیاء آئے اور اُس کے بعض اخلاق اُن انبیاء کے ذریعہ ظہور میں آتے رہے۔ محمدؐ۔ خاتم النبیّین تھے اور ضرور تھا۔ کہ وُہ تمام اخلاق الٰہیہ جنھوں نے انسان میں نشوونما پایا تھا۔ اور جن کے ظہور کے مناسب اور ضروری مواقع انبیاء سابقہ میں پیدا نہ ہوئے تھے۔ وُہ آپ کی زندگی میں اپنا کامل ظہور دیکھیں۔ اُن اخلاق میں ایک خلق۔ خلق عفو تھا۔ اِس کا خاص موقعہ و محل تھا۔ وُہ تمام محل و موقع یسوع کی زندگی میں تو پیدا نہ ہوا۔ اور اگر بعض اکابرین کی زندگی میں پیدا ہوا۔ تو اُنھوں نے

اِس موقعہ و محل کو استعمال نہ کیا۔ اور خلق عفو ظہور کے بغیر رہا۔ ہاں آنحضرت صلعم کی زندگی میں وہ کمیاب موقعہ پیدا ہو گیا۔ اور آپ نے اُسے بوجہ احسن استعمال کیا۔ آپ کے دشمن جو بالکل مغلوب و خوار ہو چکے تھے۔ آپ سے اُس سلوک کے ملتجی ہوئے۔ جو کریم النفس انسان اپنے دشمنوں سے کیا کرتے ہیں۔ یہ اپیل کچھ ایسی برمحل تھی۔ اور اس کا مخاطب بھی وہی تھا۔ جسکے یہ شایان تھی۔ کہ فوراً ہی منظور ہو گئی۔

یہاں تک تو مینے اُن نرم اور ملائم اخلاق کے متعلق کچھ کہا ہے۔ جس کے متعلق ادعا کیا جاتا ہے۔ کہ یسوع میں موجود تھے۔ لیکن ان کے علاوہ اور تیز اور مضبوط اخلاق بھی تو ہیں جو الٰہی اخلاق کا رنگ بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن جنھوں نے مریم بتول کے بچہ میں اپنا ظہور نہ دیکھا۔ یہی وہ گرم اخلاق ہیں۔ کہ جو مہذب حالت میں انسانی سوسائٹی کی راحت کے لئے از بس ضروری ہیں۔ مثلاً غضب۔ نفرت۔ اور ان دو پر میں خلق انتقام بھی ایزاد کرتا ہوں۔ یہہ سب کے سب جان اور مال کی حفاظت اور امن کے لیئے ضروری ہیں۔ اور ان کو حیوانی یا ادنیٰ جذبات کے نام سے موسوم کرنا غلطی ہے۔ ان کے صحیح استعمال کا بھی محل اور موقعہ۔ ہاں اُنکو بُرے طور سے جب استعمال کیا جاوے۔ تو پھر یہ ادنےٰ جذبات ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ اخلاق اس گنگ زبان صحیفۂ قدرت میں نظر نہیں آتے۔ اور میرے نزدیک تو اخلاق الٰہیہ کی بہترین فہرست یہ صحیفۂ قدرت ہے۔ اِن مذکورہ بالا اخلاق کا بطور اخلاق الٰہیہ ذکر خود بائیبل میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ان جذبات کو خود خدا نے انسان میں پیدا کر رکھا ہے۔ کیا غضب اور نفرت امور حقیقی نہیں۔ کیا ان دو جذبات کا اثر گہرا۔ انسانی معاملات و کاروبار پر نہیں پڑ رہا۔ اور اگر انسان خدا کی تصویر پہ پیدا کیا گیا ہے۔ تو ہم کو یہ قیاس کر لینے کا حق ہے۔ کہ جو اخلاق اور جذبات ہیں۔ لہذا یہ گرم اور تیز جذبات و اخلاق بالضرور اخلاق الٰہیہ ہیں۔ اور ایسے نہیں کہ ہم اُن کو نظر انداز کریں۔ لاریب ان جذبات کی تعدیل اور تہذیب ضروری ہے اور ہم جو اُن اکابرین کی زندگی کی طرف۔ جن میں کہا جاتا ہے۔ کہ خدا ظاہر ہُوا۔ نگاہ اُٹھاتے ہیں۔ اور اُنھیں اسوہ بنانا چاہتے ہیں۔ تو صرف اس لیئے۔ کہ ہم دیکھ لیں۔ کہ اُن اکابرین نے ان جذبات کو کس طرح اور کس محل و موقعہ پر استعمال کیا۔ اگر اُن اخلاق کو جن کا ہمیں

خطبۂ کوہ زیتون میں سبق دیا گیا ہے۔ اختیار کر لیا جاوے۔ تو کیا وہ اِن تیز اور گرم جذبات کی ہلاکت کے لیئے کافی نہیں۔ حالانکہ یہ وُہ جذبات ہیں۔ کہ جن کو میں ربّانی جذبات کہتا ہوں اور وہ فی الواقعہ اخلاق الٰہیہ میں سے ہیں۔ خطبہ مذکور پر چلنا گویا جان اور مال کو غیر مامون کرنا ہے۔ مجھے کچھ تامل سا ہے۔ کہ شاید یہ تعلیم خطبہ کچھ ایسی علو شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ کہ اس کو عمل میں لانا اب محالات سے ہے۔ اور میں تو یقین کرتا ہوں۔ کہ قیامت کے دن تک یہ تعلیم ایسی ہی ناقابل عمل رہے گی۔ لیکن کیا ان حالات کے ماتحت پھر بھی معلم خطبہ مذکور ایک کامل اسوہ انسان۔ اور مکمل مظہر اخلاق الٰہیہ ہونے کا مدّعی ہو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی اُسے مدّعی سمجھتا ہے تو کیا اُس کا یہ دعوےٰ۔ دعوےٰ جائز ہے۔ یعنے تو ارادتاً یہاں اِس لیئے ان دو جذبات مذکورہ بالا کا ذکر کیا ہے۔ کہ خطبۂ پہاڑ کی تعلیم پر چلنے سے اِن جذبات کا تو عدم وجود برابر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اِس خطبہ کا معلّم خود بھی بعض مواقع پر ان دو جذبات کو استعمال کرنے سے رُک نہیں سکا۔ وِالّا ان دو اخلاق کے علاوہ اور بے تعداد انسانی اور ربّانی اخلاق ہیں۔ جن کے متعلق اگر میں نہایت ہی نرم اور رعایت کا پہلو اختیار کروں تو یہ کہوں گا۔ کہ یہ اخلاق پیغمبر ناصری کی زندگی میں اندر کے اندر ہی رہے۔ اور اپنا ظہور نہ پا سکے۔ لہذا اِن حالات کے ماتحت۔ مَیں۔ الفاظ ذیل کی تائید میں حکیم رینان کا ہم آواز ہونے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ مذہب نے اِس انسان (یسوع) کو انسانیت کا کامل مظہر اور رہنما اگر چنا ہے۔ تو کوئی بُرا انتخاب نہیں کیا۔ حکیم رینان اپنی تمام معقول پسند اور آزاد طبیعت و تعلیم کے ساتھ اپنی ابتدائی خوگردہ عصبیت و میلان کا در اصل مقابلہ نہ کر سکا۔ وِالّا یہ جو اُس نے کہا یہ کسی خوض و فکر کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔ اُسے یہ تو سمجھ لینا چاہیئے تھا۔ کہ انسانی سوسائٹی کی ساخت اور اُس کے ڈھانچ کو مضبوط کرنے کے لیئے انسانی زندگی کی بہت سی ضروری شاخیں اور بھی ہیں۔ اور یسوع اُن شاخوں میں کسی کا رہنما نہیں ہو سکتا مثلاً ایک بادشاہ جو تخت پر ہے ایک جج جو کرسی عدالت پر بیٹھا ہوا ہے۔ ایک مدبر سلطنت جو امور مُلک میں منہمک ہے۔ ایک جرنیل جو میدان جنگ میں موجود ہے۔ کیا جس طرح انسانی سوسائٹی کے لیئے ایک معلم اخلاق کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی اِن چار وجودوں کی ضرورت

نہیں اور خدا نے بھی آخر کوئی نادانی کا اور غیر ضروری فعل تو نہیں کیا۔ اگر اسرائیل کے خاندان میں داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ یوسفؑ اور یوشعؑ جیسے نبی پیدا کیئے۔ کیونکہ یہ بزرگ فرداً فرداً بادشاہ۔ جج۔ مُدبّر سلطنت اور فوجی جرنیل تھے۔ لیکن یہ تو آخر انسان تھے۔ اور بقول عیسائیان اُن سے صرف غلطیاں ہی نہیں بلکہ بعض گناہ بھی سرزد ہوئے۔ لیکن اگر خدائے تعالےٰ کو ضرورت ہی تھی۔ کہ انسان کی شکل میں انسانیت کا کامل مظہر و رہنما ہو کر آوے۔ تو وُہ شائد انسانی سوسائٹی کے لئے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوتا۔ اگر وہ بادشاہ یا مُدبّر سلطنت ہو کر آتا۔ اور نہیں تو کم از کم یُورپ کے عیسائی بادشاہوں اور عیسائی مُدبّران سلطنت کی ہدایت کے لیئے عملاً بعض قواعد ہی چھوڑ جاتا۔ اور دُنیا شائد جلدی ربانی سلطنت کے دن دیکھ لیتی کیونکہ دنیا کو یُورپ کی اس آزو حرص اور اپنے اقتدار کے لیئے دوسروں کو تباہ کر دینے کی عادت سے نجات ہو جاتی۔ بشپ معظّم پوپ روما کو اور ایسا ہی شاہ عمانوئیل کو تو شہزادہ سلامتی کی بجائے کسی ایسے خدا کی ضرورت تھی۔ جو کسی جرنیل کے وجود میں آتا۔ تاکہ اِن بے ضرورت مہمات طرابلس میں وہ اُن کی رہنمائی کرتا۔ اُن کو وہ جنگ کے اخلاق سکھلاتا شاید اُس کا اپنا عملی نمونہ اور اُس کے حربی وصایا اٹلی کی ظالمانہ بے رحمیوں کے لیئے جو طرابلس میں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ زیادہ تر روک کا باعث ہوتے کیونکہ ہیگ کی کانفرنس کے اصول تو آخر کوئی روک کا موجب نہ ہو سکے۔ ہم کو بالمقابل بتلایا جاتا ہے۔ کہ خداوند آخری ایام میں بادشاہ کے وجود میں ظاہر ہوگا۔ جب مظلوم اپنا انصاف پاویں گے۔ اور تمام ظلم دُور کیئے جاویں گے۔ لیکن اگر اُس کی آمد ثانی دُنیا کے خاتمہ کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر انسانیت کے کامل رہنما و مظہر کی ضرورت بھی تو اُس وقت ختم ہو رہے گی۔ بے شک یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی سلطنت دُنیا کی سلطنت نہیں۔ اور نہ اس نے اپنے نوکروں کو اجازت دی کہ یہودیوں سے لڑیں اور اُن کو اُسے گرفتار نہ کرنے دیں (یوحنا ۱۸/۳۶) لیکن اگر دُنیا کا تمدّن اور اُس کی مدنی مصالح کسی نہ کسی قسم کی سلطنت کے متقاضی ہیں۔ اگر انسانوں کے فیمابین ذمہ واریوں اور حقوق کا نفاذ جو بہبودی عامہ کی جڑھ ہے۔ حکومت کی کوئی نہ کوئی شکل چاہتا ہے۔ اور اگر انسان جونہی ابتداء سے ابتدائی نیچر کی حالت سے

نکلتے ہی ذاتی جائیداد کے خیال کا احساس اپنے سینہ میں موجزن پاتا ہے۔ اور ساتھ اسکے اپنی جان اور جائداد کی حفاظت کے لئے ایک نہ ایک پولیٹیکل ناظمانہ وجود کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ خواہ وہ کیسی ہی ابتدائی شکل میں ہو۔ اور اگر انگلستان کے تمدن کے لیئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ کہ قدیمی وٹن ایجوموٹ کو موجودہ پارلیمنٹ کی صورت دیجاوے۔ تو پھر ہم جیسے کہ رینان کہتا ہے۔ انسانیت کے کامل رہنما اور مظہر کے لیئے کوہ زیتون کی طرف دیکھیں یا کوہ فاران کی طرف نگاہ کریں۔ جہاں ہمیں پیغمبر کے وجود میں ایک ہی وقت بادشاہ مدبر سلطنت۔ مقنن۔ جج اور فوج کا جرنیل نظر آتا ہے۔

اگر ان واقعات پر جو ان صفحات میں ذکر کئے گئے ہیں۔ حکیم رینان کی تصنیف پڑھنے والا ٹھنڈے اور تعصب سے معرا دل کے ساتھ غور کرے تو مجھے یقین ہے۔ کہ وہ یہ مان لے گا۔ کہ حکیم موصوف کا زیر بحث ریمارک وسعت نظر پر مبنی نہ تھا۔ یسوع اپنے اقرار کے مطابق انسانی زندگی کے اعلےٰ طبقات کے لئے نمونہ بن کر ہرگز نہیں آیا۔ لیکن کیا وہ معمولی طبقات زندگی کے رویہ میں ہماری مدد کر سکتا ہے؟ اگر ہم اپنی زندگی کے اشغال کی تقسیم کریں تو کیا معاملات خانہ داری زندگی کا بھاری اور ضروری حصہ نہیں۔ کیا ان ایام میں ہمارے بہت سے گھر بدمزگی۔ مصیبت۔ پریشانی اور اختلاف کا منظر نہیں۔ اور کیا یہ قابل افسوس حالت اُن شیریں تعلقات کے نہ ہونے کے باعث نہیں جو عورت خاوند میں ہونے چاہئیں۔ اور جن شیریں تعلقات کے باعث عقد زوجیت ایک بہشتی گرہ ہو جاتی ہے۔ کیا لفظ "گھر" پیاری سے پیاری اور خوش کن سے خوش کن یاد آوریوں کا خزانہ نہیں جو بد قسمتی سے ہمارے ایام میں مفقود ہو جاتی ہیں۔ کیا عورت۔ مرد کی معین و مددگار نہیں بنائی گئی۔ کیا مرد اور عورت۔ زن و شوہر بننے کے لیئے پیدا نہیں ہوئے۔ اور کیا ان کے باہمی تعلقات کے اچھے یا بُرے ہونے پر ایک گھر بہشت یا دوزخ نہیں بنجاتا۔ اب اگر یہ امور کچھ حقیقت رکھتے ہیں اور یہی بہت حد تک ہماری خوشحالی یا تکلیف کے ذمہ دار ہیں۔ تو کیا ہم کو ایسے رہنما کی ضرورت نہیں۔ جو ہمیں روزانہ معاملات خانہ داری میں رہنمائی کرے۔ واقعی یہ ایک بھاری بد قسمتی ہے۔ کہ یسوع کے عنصر الوہیت نے

اُسے اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ اس دُنیا میں کسی عورت کے ساتھ بطور زن و شوہر ارضی تعلق قائم کر لیتا۔ اور ہم پھر مجبور ہو کر کسی اور سمت ہی نگاہ اُٹھاتے ہیں۔ جہاں ہمیں ان معاملات کے لئے کوئی "انسانیت کا کامل رہنما" ملے۔ بیشک یسوع کی ایک والدہ تو تھی۔ لیکن پھر ماں بیٹے کے تعلقات میں وہی عنصر الوہیت مصیبت ڈالتا ہے۔ اور ایک عیسائی گھر میں ایک بیٹے کو گھر میں کے اخلاق سیکھنے کے لیئے یسوع سے کچھ میسّر نہیں آتا۔ مقدّس کنواری تو اپنے ربانی بیٹے کو دیکھ کر۔ کہ وہ جب اُسے مخاطب کرتا ہے تو عورت کہکر ہی خطاب کرتا ہے۔ شائد اس لیئے اطمینان قلب حاصل کر لیتی ہو گی۔ کہ وہ اپنے ہیں اور بیٹے میں فرق باقی ہو گی لیکن ایک معمولی انگلستان کی عورت تو شائد اپنے بیٹے کے لیئے یہ پسند نہ کرے اور یہی چاہے کہ اسکا بیٹا کسی اور طریق پر اُسے خطاب کیا کرے۔

الغرض جس قدر اس سوال پر غور کیا جاوے اُسی قدر رینان کا مقولہ زیر بحث مجھے صحیح نظر نہیں آتا۔ جس اخلاق کی تعلیم مسیح نے پہاڑی خطبہ میں کی اُس پر چلنا تو اُس کے پہلے شاگردوں نے بھی نہ چاہا اور اب بھی جہاں تک الفاظ کے اندر اندر اخلاق کی تعلیم ہو سکتی ہے۔ وہ تعلیم لفظاً تو ایک بہترین نمونہ ہیں۔ لیکن دُنیا دو ہزار برس اور بوڑھی ہو گئی۔ مگر آج تک اس تعلیم کو عمل میں لانے کا راستہ دنیا کو نظر نہ آیا۔ اس وقت بھی کلیسیا کے سرگرم ممبر اور دنیا کو عیسائی بنانے کی مہم کے زبردست اراکین اپنے آپ کو ان اخلاق پر چلانے کے ناقابل پاتے ہیں۔ اور صرف اُس وقت کو دیکھ رہے ہیں۔ جب آمد ثانی پر خداوند کی سلطنت قائم ہو جاوے گی۔ جب محبّت۔ امن اور آشتی پھیل جاوے گی۔ اور انسان اس تمام مضبوط اور تیز مگر مردانہ اوصاف سے اختہ ہو کر خود ہی اس قابل ہو جاوے گا۔ کہ اس تعلیم پر عمل کرے۔ مگر جب تک وہ وقت نہ آئے یہ تعلیم ایک مردہ قانون ہے۔ اگر اسے عالمگیر قانون بنایا جاوے اور خصوصاً عیسائی ممالک میں شاید ہمالہ کی برفانی چٹانوں میں کوئی قدیمی رشی اس تعلیم کا قدردان ملجاوے تو ملجاوے۔ لیکن مغرب میں تو ممکن نہیں کہ ایسا کوئی میسّر آوے۔

اور دقت یہ ہے کہ یسوع کی اصلی مشن کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں اور نہ کوئی اس مُدعا پر غور کرتا ہے۔ جس کے لیے اُسے اخلاق کے یہ سخت اصول سکھانے پڑے۔ میرے نزدیک

اگر یسوع کو اُس کی اصلی حیثیت میں دیکھا جاوے۔ اور یہ وہ حیثیت ہے کہ جس کا وہ خود معترف اور مدعی ہے اور اُس کی ذات کو کلیسیائی عقاید کے جھلملاتے ہوئے پوشاکوں سے معرّا کر دیا جاوے تو یسوع صاحب خود اپنی اس بے معنی متناقض حیثیت سے نجات پا جاتے ہیں۔ اور اُن کی تعلیم کی ناممکن التعمیل حقیقت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی اصلی حالت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

مسیح ایک نبی تھے۔ جو اسرائیلی گھرانے کی اصلاح کے لیئے آئے تھے۔ اُس گھر کی بکھری ہوئی بھیڑوں کو ایک جا جمع کرنا اُن کا اصلی منصب تھا۔ اسرائیلیوں کی تہذیب نفس۔ اور اُن فریسی علمار کے علم کی پردہ دری کرنا اُن کا مقصد تھا۔ جو موسوی شریعت کے سمجھنے اور بیان کرنے والے ہمہ دان اپنے آپ کو ظاہر کرتے تھے۔ موسوی شریعت ایک قسم کی شریعت انتقام تھی۔ جس کو اُنھوں نے بری طرح استعمال کر رکھا تھا۔ اور جناب مسیح اُس شریعت کا مغز بتلانے کے لیئے تشریف لائے تھے۔ آپ نے یہودیوں کو شریعت انتقام کا محل و موقعہ بتلایا۔ اور اس طرح شریعت کو توڑا نہیں بلکہ پورا کیا۔

پیغمبر مسیح کی حقیقی چہرہ نمائی کے لئے مجھے شاید زیادہ وضاحت کی ضرورت ہے۔ اور اس وضاحت کے لئے مجھے اُن حالات کا بھی ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو شریعت موسوی کو وجود میں لانے کا باعث ہوئے غلامی کے نیچے (بنی اسرائیل) نہ صرف جسمانی بلکہ اخلاقی نجات کی بھی ضرورت رکھتے تھے۔ پشت ہا پشت کی غلامی نے اُن کے تمام اخلاق ہلاک کر چھوڑے تھے۔ وہ بالکل کمینہ صفت۔ مایوسی کا پُتلا اور بزدلی کی تصویر تھے۔ بحیرہ قلزم (یا رود نیل) کے عبور کرنے نے اُنھیں مصری فرعونوں کی غلامی سے تو آزاد کر دیا۔ لیکن اُن کا یہ فعل اُنھیں غلامانہ عادات کی غلامی سے آزاد نہیں کر سکتا تھا۔ اُن کی اس نجات کے لئے قانون انتقام کی ضرورت تھی۔ "آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت" ہی ایک طریق زندگی تھا۔ جو مردہ اور مُرجھائے ہوئے جوش کے رُوح کی نجات کی موجب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہ قانون اُنھیں تعلیم کیا گیا اور مفید ثابت ہوُا۔ اُس قانون کی طفیل غلامی کے فرزند ہی چند نسلوں میں فاتح اور حکمران بن گئے۔ پھر ایک وقت آیا اور اس قانون کی

بد استعمالی شروع ہو گئی۔ وُہ لوگ حقیقت شریعت سے الگ ہو کر الفاظ پرست بن گئے اُنھوں نے مغز چھوڑ کر پوست پر زور دیا۔ وُہ قانون انتقام کی لفظی پابندی پر اِس قدر مصر ہوئے۔ کہ ایک مدت کے بعد وُہ خود انتقام کا مجسمہ بن گئے۔ ایک وقت ان میں غلامانہ حلم، تھا۔ اور اب وُہ مجسم غضب، ہو گئے۔ جب اُن کی نفرت مشتعل ہوتی تو پھر اُس کا کوئی اندازہ اور پیمانہ نہ رہتا تھا۔ اِس طرح وُہ اخلاقاً گر گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے دُنیوی زوال بھی دیکھ لیا اُن پر غیر اقوام حاکم ہو گئیں وہ پھر روئے اور روست بدعا ہوئے۔ اور غیروں کی حکومت سے نجات کے خواستگار ہوئے۔ اُن کو پھر ایک نجات دھندہ کی ضرورت محسُوس ہوئی۔ یہوواہ کی جناب میں وُہ اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ مُلتجی ہوئے اور ایک منجّی کا انھیں وعدہ ملا۔ مسیح موعود آگیا۔ اور اُن کی نجات کی کلید بھی لایا۔ لیکن اُنھوں نے اُس کے مشن کی حقیقت نہ سمجھی۔ اُن کی گذشتہ تاریخ انکے لیئے ایک عمدہ سبق تھی۔ لیکن وہ خود غرضی اور نفس پرستی میں کچھ ایسے منہمک تھے۔ کہ وُہ گذشتہ حالات سے سبق آموز نہ ہوئے۔ اُن کو سمجھنا چاہیئے تھا۔ کہ اگر اُن کی نجات اوّلے شریعت کی اطاعت پر ہی منحصر تھی۔ تو اُن کی نجات ثانی بھی شریعت کی پابندی پر ہی مبنی تھی اگر اُن کو غلامانہ عادت سے نکالنے کے لیئے شریعت انتقام کی ضرورت تھی۔ اور یہ حالت اُنکے فاتح اور حکمران ہونے کے لیئے بطور مقدمہ تھی۔ تو اب وُہ چونکہ غضب و نفرت کی غلامی میں تھے۔ تو اس حالت سے نجات دینے کے لیئے اُنھیں شریعت رحم کی ازبس حاجت تھی۔ اور یہ امر بھی ضروری تھا۔ پیش ازیں کہ وُہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو پھر حاصل کرلیں۔ اسرائیلی گھرانے کے منجّی نے نہ صرف اُن کی نبض شناسی ہی کی۔ بلکہ اُن کی مرض کے لیئے اس نے صحیح دوائی بھی تجویز کی۔ جب اُس نے کہا۔ تم نے تو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے۔ کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم کو کہتا ہوں۔ کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو۔ اور جو تمھارے داہنی گال پر طمانچہ مارے۔ اُس کے آگے بائیں گال بھی پھیردو۔ اور اگر کوئی آدمی تمھیں عدالت میں کھینچے اور تمہارا کوٹ لے جاوے تو تم اپنا چغہ بھی اُس کو دیدو۔ اور جو تمھیں ایک میل لیجانا چاہے اُس ہمراہ دو میل چلے جاؤ۔ یہ تعلیم دنیا نے بیشک ناممکن التعمیل سمجھی۔ دُنیا کا تمدن اور اُس کی عامہ بہبُودی خواہ اس تعلیم کے مناسب حال نہ ہو۔ لیکن یہی

نئی انجیل تھی۔ اور اسی میں ان کی نجات تھی جو نفرت اور غضب، کے غلام تھے۔ یہی شریعت رحم جو کوہ زیتون سے آئی نئی بشارت اور نیا عہد تھا اور نہ کہ وہ مفروضہ عقاید جو پولوس نے بعد میں تلقین کیئے۔ اس شریعت پر کامل ایمان اور اس پر عمل پراگندہ گھرانے کی نجات کا موجب ہو جاتا۔ نہ کہ اس کے معلّم کا خون جو اس تعلیم کے لئے شہادت تک پہنچا۔ لیکن "اپنے دشمنوں سے نفرت کرو" جن کا شعار ہو۔ اُن کو جو یہ تعلیم دے کہ "اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔ اُن کے لیئے برکت ڈھونڈھو۔ اُن پر لعنت نہ کرو۔ اُن سے نیکی کرو جو تم سے نفرت کرتے ہیں" اُسے وہ کب قبول کرتے۔ کہ وہ تخت داؤد کا وارث ہو کر اُن کی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لاوے گا۔

افسوس تو یہ ہے کہ یسوع۔ دوست دشمن دونوں کی طرف سے بدقسمت رہا۔ کسی نے بھی اس عہد کو نہ سمجھا جس کی تجدید اُس نے کی۔ دونوں ہی سلطنت کے خواہاں رہے۔ آخر الذکر جب مایوس ہو گئے تو اُس کے جانی دشمن بن گئے۔ اور اُنھوں نے اُس کا پیچھا اُسی وقت چھوڑا۔ جب اُسے صلیب پر دیکھا۔ اوّل الذکر کسی قدر زیادہ امیدیں رکھتے تھے۔ وُہ آخری دم تک اُس وقت کو دیکھتے رہے۔ جب اُن کے بیٹے خداوند کے ساتھ تخت سلطنت پر بیٹھینگے۔ لیکن نہ دوست نہ دشمن کسی نے اُس کی تعلیم کو نہ سمجھا۔ یسوع خود شریعت اور عمل شریعت پر مضبوط ایمان رکھتا تھا۔ وہ یہ یقین رکھتا تھا۔ کہ دنیا اور دنیا کی سلطنت اُن کے پیچھے جایا کرتی ہے۔ جو اعلےٰ اخلاق رکھتے اور جذبات پر قابو پانا جانتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ کوئی قوم جو دوسری قوم پر غالب آخر کار آجاتی ہے۔ تو حربی تعلیم اور حربی آلات کے رکھنے سے نہیں بلکہ خاص قسم کے اخلاق پیدا کرنے اور اُن کی تربیت سے یہ امر حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ اور وہ خوب سمجھتا تھا۔ کہ مطلوبہ اخلاق و کردار خاص شرائع پر ایمان رکھنے۔ اور اُس پر عمل کرنے سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ بالمقابل جن اسرائیلیوں کے اُبھارنے کے لیئے وہ آیا تھا۔ اُن کی کمزوریوں اور نقصوں سے وہ آگاہ تھا۔ اور جو شریعت ان اغراض کے لئے اُس پر نازل ہوئی وہ وہی تھی جسکا انکشاف اُس کے خطبہ کوہ زیتون میں ہوا۔ یہی وُہ نئی انجیل تھی۔ اور یہی وہ نیا عہد نامہ تھا جس میں کھوئے ہوئے گھرانے کی نجات تھی۔ اور جس کے قایم کرنے کے لئے وُہ صلیب تک پہونچا نہ کہ اُس کے شہید ہونے پر جیسے کہ بعد میں یقین کیا گیا۔ اس تجدید دادہ شریعت پر اُس قوم

کی نجات تھی لیکن قوم نے قبول نہ کیا۔ اور ایسی گری کہ ہمیشہ کے لیئے پھر اُبھر نہ سکی۔
بدقسمتی سے یسوع کی اصلی حیثیت اور اُس کی تعلیم کی حقیقت جو ایک ایسے دل کے لیئے جو ابتدائی تعصبات سے معرّا ہے۔ تو بالکل صاف ہے۔ لیکن اس کے پیروؤں کے لیئے ہمیشہ ایک راز سربستہ رہی ہے۔ یسوع کو اگر آپ بطور ایک نبی یا معلم یا خدا کا مقدس رسول تسلیم کرلیں۔ جو پراگندہ بھیڑوں کو جمع کرنے آیا۔ اور اُس گھرانے کو اُس کی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلانے کے لیئے آیا جو مغضوب الٰہی تھا۔ اور اس غرض کے لئے اُس نے انھیں وُہ اخلاق تعلیم کیئے جو مکان وزمان کی موجودہ ضروریات کے مناسب حال تھے۔ تو یہ سارے کا سارا راز سربستہ کھل جاتا ہے۔ اور ہر ایک کے دل میں اُس کی وہ عزت اور عظمت پیدا ہو جاتی ہے جو دُنیا کے ایک عظیم الشان معلّم اور صداقت کے شہید کی ہونی چاہیئے۔ لیکن اُسے اگر خدا سمجھ کر دیکھا جاوے تو پھر لاینحل مشکلات کا سامنا ہے۔ اس کی تعلیم کو آپ اُن واقعات کی روشنی میں پڑھیں جو مینے اوپر بیان کیئے ہیں تو وُہ جو محال اور ناممکن التعمیل امر نظر آتا ہے۔ وہ ممکن اور ضرورت حقہ اور زمانی مکانی اور مخاطب قوم کی ضروریات کے مناسب حال امر ہو جاتا ہے لیکن یہ خیال کرنا کہ چونکہ یہ تعلیم عامۃ الناس کے لیئے ناممکن التعمیل ہے اور آج کل کے دل و دماغ اسے قابل توجہ نہیں سمجھتے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ الوہیت کے عنصر یہ اپنے اندر رکھتی ہو گی۔ ایسا خیال کرلینا تو صرف تدوین و وضع قوانین کے اصول۔ اُن کی ترقی اور ان کی ارتقائی حقیقت سے عدم واقفیت کا اظہار ہے۔

یسوع کے اخلاق کے دو پہلوؤں یعنی ربانی اور انسانی پہلوؤں میں سے انسانی پہلو پر ضروری حدود کے متقاضی۔ مَیں نے بحث کر دی ہے۔ لیکن دُوسرے عنوان پر ابھی مجھے بہت کچھ کہنا باقی ہے۔ مسیح کی آمد سے پہلے بھی خدا اور خدا کی صفات کے مفہوم سے دنیا خالی نہ تھی اور یہ مفہوم دو طریق پر دُنیا کو حاصل ہو چکا تھا۔ بذریعہ الہام الٰہی۔ اور بذریعہ صحیفۂ قدرت اور ان ہر دو شہادتوں سے دُنیا نے قادر مطلق خدا کو کل طاقتوں اور قدرتوں کا مالک خدا سمجھا ہُوا تھا۔ دُنیا کا ایمان تھا۔ کہ خدا مغلوب و مفتوح نہیں بلکہ فاتح اور غالب ہُوا کرتا ہے۔ وُہ اپنے دشمنوں سے ہلاک نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کا ہلاک کرنے والا ہوتا ہے لیکن

مشکل تو یہ پڑی ہے کہ ہمیں جو کچھ مریم کے بیٹے میں نظر آتا ہے۔ اُس سے ہمارے مدتوں سے دلوں میں جاگزین علو مرتبت والے اُس خیال کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ جو ہم نے خدا کی حیثیت کا قائم کر رکھا ہے۔ خدا خود انسان کی شکل میں آوے۔ اور یہودی اُسے گرفتار کریں اور باندھیں۔ کل کائنات کا مالک خدا۔ اور یہودیوں سے چھپتا پھرے۔ اور جب کبھی اپنی جان کے برخلاف یہودی منصوبہ سے واقف ہو۔ خائف اور ہراساں ہو جاوے حالانکہ یہ وُہ جان ہے جس کو وہ بخوشی خود قربان کرنے کے لیئے آیا تھا۔ اُس کو دھپڑ پڑیں اور گالیاں دیجاویں۔ غلیظ مذاق اور دلخراش ٹھٹھوں کا زیر مشق بنایا جاوے۔ اور گو اُسے انکار ہی ہو لیکن منشاء کے خلاف موت کا پیالہ پینے پر مجبور کیا جاوے۔ کیا وُہ یہودی منصوبہ سے واقف ہو کر جان چھپاتا نہ تھا۔ ہاں بیشک یسوع میں انسانی جوہر تھا۔ شاید یہ خوف اس لیئے ہوگا۔ لیکن جب وہ پھر جی اٹھا تھا۔ اور جس موت کا خطرہ تھا اُس پر وُہ غالب آچکا تھا۔ اور آسمانی زندگی پاچکا تھا۔ تو پھر کیا وجہ رہی تھی۔ کہ وُہ جان چھپاتا پھرا اور ڈرتا رہا۔ یہ چند ایک باتیں ہیں جو ایک مشرقی دل و دماغ کو خدا کے متعلق نہیں سمجھ آسکتیں۔ پر تاہم ان امور کی ایک توجیہ تو ہو سکتی ہے۔ خدا کے اخلاق میں سے ایک خلق صبر بھی ہے۔ اس کا اظہار ہونا ضروری تھا۔ اور خداوند میں اس خلق صبر نے کامل طور پر ظہور پایا۔ میں اس بات کو تو مانتا ہوں کہ خدا ضرور صبور ہے۔ ہمیں دُنیا میں الٰہی حلم ضرور نظر آتا ہے۔ جب بعض وقت شرارت غلبہ پاتی نظر آتی ہے۔ گناہ مستولی ہو جاتا ہے۔ اور بدی حکومت کرنے لگ جاتی ہے لیکن ہمیں ساتھ ہی خدا کا ہاتھ بھی نظر آجاتا ہے۔ جب آخر کار بدی اور شرارت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ یہ تو اس آخری غلبہ الٰہیہ کی بنا پر ہے۔ کہ جس سے پہلے گناہ اور بدی کے مقابل لمبی خاموشی ایک مدبرانہ صبر نظر آتی ہے۔ اور ربانی روشنی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے۔ والّا اگر آخر پر غلبہ الٰہی نہ ہو تو پھر تو ہر ایک بیچارہ و بے کس مخلوق کو مصائب سہنے کے وقت خدا کا ہی مظہر ماننا پڑے گا۔ یہی وُہ بات ہے جو ہمیں ہر قوم کے مقدس لٹریچر میں نظر آئی ہے۔ یہی وُہ بات ہے۔ جو بعض وقت ہمیں بت پرستوں اور یہاں کے قدیمی مذہب ڈرووڈازم میں بھی نظر آتی ہے۔ اور تو اور یہ بے زبان کائنات بھی اسی صداقت پر مُہر شہادت لگاتی ہے

بعض وقت مضر صحت مواد کثرت کے ساتھ اس لیئے جمع ہو جاتا ہے۔ کہ آخر کار سب پر غالب آنے والی قوت نامیہ اس مواد کو قطعاً ہلاک کر دے۔ یہ تو مانا۔ کہ یسوع میں خدا نے اپنے صبر اور تحمل کو دکھلایا۔ لیکن اُس کی اوصاف میں جو نہ ہلاک ہونا موجود ہے۔ اُسکی قدرت میں جو دُوسروں کو ہلاک کرنا موجود ہے۔ کیا یہ صفات بھی یسوع میں موجود ہیں۔ یسوع کے ماسوا بھی دُنیا میں بہت سے صداقت کے جاں نثار پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے سچائی کے لئے مسیح کی طرح مصائب دیکھے اور مصایب کے وقت مسیح کی طرح صبر دکھلایا۔ کیا یہ سب کے سب خدا کا مظہر تھے۔ بہرحال کوئی ما بہ الامتیاز انسان بشکل انسان اور خدا بشکل انسان میں ہونا چاہیئے۔ خدا کا جلال تو خدا کے دشمنوں کی ہلاکت میں زیادہ ظاہر ہو سکتا ہے نہ کہ خود ہلاکت کے دیکھنے سے اور وُہ ہلاکت بھی بد قماش دشمنوں نے جلدی پیدا کر دی۔ اگر یسوع کے دشمن یسوع کے ہاتھ سے ہلاکت تک پُہنچ جاتے تو خدا کا جلال بھی نجات پا جاتا اور اگر مان لیا جاوے۔ کہ اُس کے دشمن بعد میں ہلاک ہوئے۔ تو اس سے تو کچھ نہیں ثابت ہوتا یسوع کے علاوہ کون سا شہید صداقت ہُوا جس کے دشمن ہلاک نہیں ہوئے۔ کسی صادق کے دشمن کبھی بھی مدتوں تک نہ رہے۔ اور آخر کار اُن کی ذلت ہوئی۔ اور صداقت ہر حالت میں غلبہ پا گئی۔ مغربی فاضل الٰہیات کے مقابل غالباً ہندو حکماء کا مفہوم الوہیت شاید بہت بلند وارفع تھا۔ اگر خداوند نے چرنی (کھرلی) میں ایک دفعہ پیدائش لی تو نصف درجن سے زیادہ دفعہ خداوند برہمنوں کی سرزمین میں پیدا ہُوا۔ لیکن وہاں اُس کی پیدائش اُن علو مرتبت والے حالات کے ماتحت تھی جو خدائے ذوالجلال کی شان کے شایان تھی۔ یہ تو درست ہے کہ دونوں جگہ غلبۂ معصیت کے باعث خدا نے پیدائش لی۔ لیکن وہ ہندوستان میں تو شریروں اور ناراست بازوں کو ہلاک کرنے اور اُن کو ہلاک کر کے اپنی سلطنت کو قائم کرنے آیا۔ اور گلیل کے کوچوں میں وہ اُن کے مقابل ایک عاجز شکار بن کر آیا۔ فطرۃً اُسکی پہلی حالت زیادہ تر قابل ترجیح۔ اور اُس کی عزت وجلال کے مناسب شان ہے۔ لیکن اس سے بھی چشم پوشی نہیں ہو سکتی۔ کہ خدا میں نرم اخلاق بھی موجود ہیں۔ میرے نزدیک تو اُس کے دونوں ظہور کیا ہندوستان میں اور کیا بیت اللحم میں۔ ہر دو جگہ ناقص اور نامکمل ہیں

اُس کا کامل ظہور تو اُس وقت ہوگا جب اُس کے سارے اخلاق جمع ہو جاویں۔ مثلاً اُس کا ظہور ایسے وقت ہو جب معصیت اور گناہ بدرجہ اتم پہنچا ہو۔ وہ ایسے وقت مسیح کی طرح نہایت ہی عاجز اور مسکین حالت میں ظاہر ہو۔ وُہ صداقت کی حمایت میں کرشنؑ کی طرح جنگ کرے اور رامچندر کی طرح آخر کار مظفرؔ و منصوُر ہو۔ اور اگر خدا نے انسان میں ظہور کرنا ہی ہو تو یہ وہ حالات ہیں جو اُس کے شامل حال ہونے چاہئیں۔ اور اگر یہ امر احاطہ امکان میں آسکتا ہے۔ کہ خدا انسان میں ظاہر ہو۔ تو پھر یہ محمدؐ عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی ہے اور نہ کوئی اور معزؔز رکن انبیاء کی شریف اور مُبارک جماعت کا جو اِن تمام ضروریات کو اپنے ساتھ پُورا کر دیتا ہے ✤

مسیح انسان اور مسیح خدا

ذیل کا مضموُن ہم اسلامک ریویو ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء سے ترجمہ کرتے ہیں۔ جو رسالہ مذکور کے ایڈیٹوریل کالموں میں درج ہے۔ اِس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مسیح کو انسان سمجھ کر بائیبل کے پڑھنے والے کے دل پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اور اگر اسے خدا سمجھ کے بائبل کو دیکھا

مسیح بحیثیت انسان۔ تاریخ عالم میں ایک نہایت ہی اعلےٰ کیرکٹر شرافت نجابت۔ حلیمی۔ تحمّل کا مجسمہ۔ انسانی ضروریات سے تنگ۔ لیکن نہایت جوانمردی سے تمام تحریکات بد کا مقابلہ کرنے والا۔ دنیوی حیثیت میں چھوٹا۔ لیکن اِس اخلاقی جرأت کا مالک کہ جس سے وہ بڑی سے بڑی حیثیت کے منافقوں کی پردہ دری کر سکتا تھا ہمیشہ اس بات کا مشتاق کہ کس دن آسمانی سلطنت کا وعدہ خداوندی پُورا ہو۔ بدقماش بد وضع لوگوں کے حملوں اور طعنوں کا ہدف۔ لیکن ہمیشہ صبرِ و تحمّل سے ان تمام ناملائم باتوں کو برداشت کرنیوالا۔ اپنے دوستوں کا سچّا خادم اور دشمنوں پر رحیم اور مہربان معجزات دکھانے والا۔ لیکن معجزات پر کسی قسم کا فخر نہ کرنیوالا۔ بلکہ اس بات کو بھی ماننے پر تیار کہ

ہم امید کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو اس مضمون سے مسیح کی اصلی تصویر کا پتہ ہو جائیگا ✤

دُوسرے بھی مُعجزات کر سکتے ہیں۔ اپنے وقت کا سچّا اور حقیقی پیغمبر جس نے خوب سمجھ لیا۔ کہ اس کی قوم کو کس قسم کی بداخلاقی کا کرم کھا گیا ہے۔ اور ہمہ تن اس اخلاقی بیماری کے علاج کے لیئے مستعد ہے +

مسیح کو بطور خداوند دیکھو۔ تو تمام شوکت تمام خوبصُورتی اور تمام عزّت ہیچ ہو جاتی ہے۔ صفات الٰہیہ کا کیسا بُرا مظہر ہے۔ خدا اور شیطان اسے پھسلائے۔ خدا اور شریروں کی شرارت کا ہدف۔ خدا اور اپنی ہی مخلُوق کے ارذل ترین لوگوں سے ستایا جاوے۔ خدا اور اپنے دشمنوں کے مقابل بے یار و مددگار۔ گو موت پہ غالب آکر اپنے دشمنوں کی سازش کو خاک میں ملاتا ہے۔ لیکن اس بات کا بھی ڈر ہے۔ کہ پھر دشمن اسکو قتل کریں۔ مُعجزات تو دکھائے لیکن معجزات کو اُنہی سے چھپائے جنکو اُن معجزات کی سخت ضرورت تھی موت کے پیالے سے بچنے کی تو کوشش کرے۔ لیکن پینے پر مجبُور کیا جاوے۔ خود ہی انسان کی نجات کی تجویز سوچھے۔ اور خود ہی اس تجویز سے بچتائے۔ بھُوک کے وقت نہایت ہی معمولی سے معمولی انسان کی طرح بے موسم درخت کی طرف پھل کے لیئے دوڑے اور پھر جب وہاں پھل نہ ملے تو اس بے جان درخت پر اپنا غصّہ ظاہر کرے۔ انسان کو ناممکن التعمیل اخلاق کا سبق دے۔ اور ان کو اُن جذبات اور قوا کے معدوم کرنیکی ہدایت دے۔ جو خود اُس نے بطور خالق انسان کر دیئے۔ وغیرہ وغیرہ +

ستمبر نمبر

اس ماہ کے شروع میں اگرچہ اگست نمبر قاریں کرام کی خدمت میں پُہنچا ہے لیکن ہم نے ستمبر نمبر کو اس ماہ میں اس لئے نکال دیا ہے۔ کہ آئندہ ہر ماہ کا پرچہ اُسی ماہ میں ختم ہو کر سال کے اخیر میں کامل جلد اس سال کی ختم ہو جاوے +

مینجر

اُمّ الالسنہ یا زبانوں کی ماں

از

خواجہ کمال الدّین صاحب بی۔اے (ایل۔ایل۔بی)

اغلباً سال ۱۸۹۶ء میں حضرت مرشد و مجدّد وقت عالی حضرت جناب مرزا غلام احمدؐ صاحب قدس اللہ سرّہٗ مسیح موعود نے ایک کتاب موسومہ بہ منن الرحمٰن تصنیف فرمانے کا ارادہ فرمایا۔جس میں یہ تحقیق کی جانی تھی۔کہ عربی زبان سے دیگر زبانیں نکلی ہوئی ہیں۔ آپکا مشن اگرچہ مذہبی مشن تھا۔ لیکن خدمت قرآن نے ہی آپ کو اس نادر تحقیق کی طرف متوجہ کیا۔آپ کے زمانہ میں قرآن کی حقانیت پر۔ایک یہ حملہ بھی ہوا۔کہ جب قرآن نے " وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ " (کسی قوم کا رسول اُس قوم کی زبان میں ہی آیا کرتا ہے) کا اصول باندھ کر اپنی تعلیم کو عرب تک ہی محدود و مختص کر دیا۔تو پھر اس کتاب نے عرب کے ماسوا غیر عربی زبانیں بولنے والی اقوام کو کیوں اپنے دائرۂ اصلاح میں لے لیا۔اور اپنا مخاطب کل اہل دُنیا کو بنایا۔یہ ایک صریح تناقض تھا۔جس پر کہا گیا۔کہ قرآن اپنی ہی تعلیم کے مُطابق منجانب اللہ نہیں ٹھہرتا۔کیونکہ قرآن نے یہ امر بھی تسلیم کر لیا ہے۔کہ اگر یہ کتاب خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو اس میں بہت اختلاف ہوتے (ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا) یہ حملہ ایسا نہ تھا۔کہ جسے مجدّد وقت نظر انداز کرتا۔

قرآن کریم نے جہاں کل اقوام عالم کی طرف فرداً فرداً الہام کا آنا۔اور ایسے الہام کے انسانی ہاتھ سے محرّف و مبدّل ہونے پر از سر نو الہام کا نزُول تسلیم کیا ہے۔وہاں (ان) سب الہاموں کی موجودگی میں اپنے نزول کی دو خاص وجوہ بتلائی ہیں[1]۔ایک یہ کہ نزولِ

---

[1] اس امر پر مفصّل بحث کے لئے دیکھو براہین نمبر ۲ حصّہ اوّل۔ منقّح مؤلف۔

قرآن کے وقت قریباً کل کی کل کتب الٰہیہ مسلمۃً محرّف و مبدّل ہو چکی تھیں۔ دُوسرا نزُول قرآن پر دُنیا عنقریب اُن ایّام کو دیکھنے والی تھی۔ جب مختلف اقوام عالم کے افراد ہر ملک میں جمع ہو جانے تھے۔ ایسے وقت وحدت عامہ اس بات کو چاہتی تھی کہ سب اقوام عالم کی ہدایت کے لیئے از سر نو ایک ہی کتاب آوے جسمیں جہاں کل کتب سابقہ کی تعلیم کو انکی اصل شکل میں جمع کر دیا جاوے وہاں اُنپر اور امور ضروریہ بھی ایزاد کر کے شریعت کی تکمیل کر دیجائے۔ ہاں سوال یہ ہا کہ یہ آخری اور خاتم نبوت الہام کس زبان میں ہوا۔ اصول مندرجہ بالا کے ماتحت کہ ہر رسول کا الہام اپنی قوم کی زبان میں ہی آیا کرتا ہے۔ آخری کتاب جو کل دُنیا کے لیئے ہے۔ اُسی زبان میں نازل ہونی چاہیئے تھی۔ کہ جو سب قوموں کی مشترک زبان ہو۔ اب اگر یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاوے۔ کہ عربی زبان کل زبانوں کی ماخذ ہے۔ تو پھر کل اقوام عالم کی زبانیں عربی یا عربی کی کوئی بگڑی ہوئی صورت ٹھیر جاتی ہیں۔ اور اس طرح قرآن کریم گویا اس زبان میں نازل ہوا ہے۔ جو اپنی اصلی شکل وصورت میں کل انسانوں کی مشترک زبان ہے اور اس طرح اعتراض بالا رفع ہو جاتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے۔ جس کی طرف خود قرآن نے ”لتنذر ام القریٰ ومن حولھا“ میں صریح اشارہ فرمایا یعنی قرآن ام القریٰ اور اس کے ارد گرد کل دُنیا کو خوف دلانے کے لیئے نازل ہوا ہے۔ عرب لوگ مکّہ کو قدیم سے ام القریٰ یعنے شہروں کی ماں پکارا کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک مکّہ ہی ابو البشر کی جگہ تھا۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں۔ کہ کل بنی نوع انسان ایک نہ ایک وقت کسی ایک ہی مقام پر آباد تھے۔ جب وہ تعداد میں بڑھے۔ اُنھوں نے مختلف اکناف عالم کی طرف رُخ کیا۔ ہاں ابو البشر کی جائے سکونت کہاں تھی؟ یہ سوال اُس وقت تک لاینحل رہا ہے۔ فزی آلوجی کی بناء پر ام القرائے کی تعیین کرنے کی کوشش اُس وقت تک بے سود ثابت ہوئی۔ بالمقابل زبان ہی ایک بہترین ذریعہ تسلیم کی گئی ہے۔ کہ جس سے یہ سوال آسانی کے ساتھ طے ہو سکتا ہے یعنی جس جگہ کی زبان کے متعلق یہ ثابت ہو جاوے۔ کہ کل دیگر السنہ اُس زبان سے مشتق ہیں۔ وہی جگہ ام القرائے کہلانے کا حق رکھتی ہے۔ اب اگر عربی زبان ام الالسنہ ثابت ہو جائے۔ تو پھر مکہ ہی ام القرائے اور وہاں کی زبان میں قرآن کا نازل ہونا۔ گویا اس کا کل امصار و دیار دُنیا کی زبان میں نازل ہونا ہے۔ چنانچہ آیت بالا میں

اس طرف اشارہ کیا گیا۔ الغرض ان وجوہ پر حضرت مرزا صاحب نے اِس امر کی طرف توجہ فرمائی اور آپ کی ہدایت کے ماتحت ہم چند مریدان حضرت نے بعض دیگر زبانوں کے الفاظ کے متعلق تحقیق شروع کی۔ دُوسری طرف حضرت اعلےٰ نے اِس کتاب کا لکھنا شروع کیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد نئے واقعات اور اِس کام سے اہم تر نئی ضروریات نے پیدا ہو کر آپ کو اس ارادہ کی تکمیل کا موقعہ نہ دیا۔ اور یہ امر وہاں کا وہاں رہا۔ میں کیا اور میری بساط کیا۔ کہ اس امر کو اس کمال تک پُہنچا سکوں۔ جہاں ایک مبعُوث اور مامور کے ہاتھوں یہ کام پُہونچتا۔ چنانچہ اِس کتاب کی تُمہید ہی جو آپ نے لکھی۔ اور وُہ ساتھ ہی ساتھ چھپ بھی گئی۔ اور اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سُلطان القلم کے دماغ نے اِس تحقیق کے لئے کیسے کیسے نادر اصُول تجویز فرمائے تھے۔ اور عربی زبان کے کیا کیا عجیب خصائص بیان کیئے۔ وُہ اصُول انشاء اللہ ہمیں اِس راہ میں ایک حقیقی رہنما کا کام دینگے۔ اور در اصل جو کچھ بھی میں لکھُوں گا یہ اُس چشمۂ آب زلال میں سے ایک قطرہ ہوگا۔ جہاں وہ خضر حقیقت دُنیا کو اِس کتاب کے ذریعہ پُہنچا دیتا۔ میں تو اس اسلامی لشکر کا ایک سپاہی ہوں۔ جس کا وہ سپہ سالار تھا۔ اور ہم جو کچھ فتوحات بھی کریں سب اس کے نام پر ہیں۔

حضرت اعلےٰ کے اِس ارادہ کی تکمیل ہمیشہ میرے سامنے رہی۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء میں مَیں انگلستان میں اِس کام کی طرف متوجہ ہونا چاہا۔ لیکن حضرت قبلہ حکیم نورالدین صاحب قدّس اللہ سرّہٗ نے میرے تبلیغی فرائض کی اہمیّت کے مقابل اِس کام کے لیئے میرا وہ وقت موزُوں نہ سمجھا۔ اب جو میں ہندوستان میں آیا تو مَیں نے چاہا۔ کہ اِس کام کو شروع کروں لیکن آج سے دو ماہ پہلے مجھے اِطمینان سے ایک جگہ بیٹھنے کا موقعہ نہ ملا۔ امسال موسم گرما کی سختی مجھے ابتدائے جولائی میں یہاں لے آئی۔ چنانچہ مَیں نے بھی پسند کیا۔ کہ یہاں کے موسم سے فائدہ اُٹھا کر اِس عظیم الشان کام کو شروع کر دوں۔ جس کی تکمیل ہر احمدی کے ذمہ ہے۔ یہاں اتفاق سے مَیں نے ایک انگریزی کتاب موسومہ بہ "ہندوستان میں موجودہ مذہبی تحریکات" ایک پادری ڈاکٹر (Farquhar) فرقہار کی لکھی ہوئی دیکھی۔ اُس نے حضرت مرزا صاحب پر جہاں اور ناپاک حملے کیئے۔ وہاں حضرت مرزا صاحب کے اِس

دعوے کے متعلق عربی زبان کی طرف اشارہ کرکے اس نے حضرت کے مبلغ علم پر بھی حملہ کیا۔ یہ حملہ علی الخصوص میرے اس کتاب کے جلد شائع کرنے کا موجب ہوا۔ اس امر کے لیئے سب سے پہلا کام الفاظ کی تحقیق تھا۔ ہماری سابقہ تحقیق کے نتائج شاید اس وقت قادیان میں ہوں لیکن حالات موجودہ کے ماتحت میرا قادیان کی طرف دیکھنا کسی نتیجہ کو پیدا نہیں کرسکتا۔ اس لیئے مجھے از سر نو یہ تحقیق بھی یہاں کرنی پڑی۔ اور میں اس امر کے لیئے جس قدر سجدات شکر ادا کروں تھوڑے ہیں کہ میں اپنی تحقیق میں حسب اطمینان خود کامیاب ہوگیا۔ اگرچہ میری تحقیق اس وقت صرف زبان انگریزی تک محدود رہی۔ اور وہ بھی پانصد الفاظ انگریزی[۱] کے لگ بھگ لیکن جب میں اس اپنی تحقیق کا مغربی تحقیق سے مقابلہ کرتا ہوں۔ جہاں صرف چند الفاظ کی بعید از قیاس اور نہایت ہی رقیق مجانست پر مغربی فلولوجسٹ (ماہران علم الالسنہ) دو زبانوں کو ہم مخرج قرار دیدیتے ہیں۔ تو میں بلا تامل اس نتیجہ پر آجاتا ہوں۔ کہ ان فضلاء کو ہماری تحقیق سے کوئی بھی نسبت نہیں۔ جہاں ان کو ایک دھندلی سی روشنی نظر آرہی ہے۔ وہاں ہم بفضلہ اپنے آپ کو نصف النہار میں پاتے ہیں۔ یہ لوگ ایک غلط راہ پر پڑ کر حقیقت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی اس ناکافی اور نا اطمینان بخش تحقیق پر سنسکرت۔ فارسی اور کل یورپین زبانوں کو قریب المخرج سمجھتے ہیں۔ اور عربی کو اپنے سے بہت دور جانتے ہیں۔ اور اس دعوے کی تائید میں نہایت ہی بودے دلائل اور کمزور شہادت پیش کرتے ہیں۔ تو جو ثبوت بفضلہ تعالےٰ ہم نے بہم پہنچا لیا ہے۔ وہ ایک محقق کو اس نتیجہ پر مجبوراً لے آویگا کہ ایک عربی زبان ہی ایسی جامع زبان واقع ہوئی ہے۔ جو ان سب زبانوں سے اقرب ہو۔ جس میں اس لسانی تحقیق کے لیئے کافی اور صحیح اور محفوظ مصالحہ موجود ہے۔ اور یہ زبان ان زبانوں کے مقابل ایک اور خاندان سے نہیں۔ جیسے کہ یورپین تحقیق کا نتیجہ ہے۔ بلکہ اُن میں سے ہے اور اُن کی ماں ہے۔ یہ میری تالیف دراصل اُس ضخیم کتاب کا دیباچہ ہے۔ جو میں ولایت واپس جاکر انگریزی زبان میں لکھنا چاہتا ہوں۔ یہ ایک بڑا بھاری کام ہے جو برسوں کی محنت شاقہ کا محتاج ہے۔ اور اس میں بہت سے مستعد ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ اس لیئے میں نے اپنی ارادہ

[۱] اس تحقیق میں میں نے اُن الفاظ کو شامل نہیں کیا جو محققین فرنگ نے خود عربی الاصل قرار دیئے ہیں۔

کردہ کتاب کا خلاصہ اس وقت اردو[۱] میں لکھدیا ہے۔ کہ ہندوستان میں جو کثرت سے ایسے بزرگ موجود ہیں۔ جو عربی زبان سے تو واقف ہیں۔ لیکن انگریزی سے ناآشنا ہیں۔ وُہ اصحاب بھی میرے اُن طریقوں سے واقف ہو جاویں جن پر میں اس تحقیق کی بُنیاد ڈالنا چاہتا ہوں اور جس کو خداتعالےٰ توفیق دے وُہ مجھے امداد دے۔ ایسے اصحاب بھی۔ پنجابی۔ ہندی بنگالی کشمیری پشتو۔ مرہٹی۔ تلوگو۔ تامل۔ کناری اور دیگر ہندوستان کی زبانوں کے متعلق اپنے اپنے ہاں تحقیق شروع کر دیں۔ اور اس طرح اس عظیم الشان کام میں محض عنداللہ میرے معین و مددگار بنجائیں۔ اس سے نہ صرف یہ کام جو میرے ہاتھ میں ہے۔ جلد تکمیل کی صورت دیکھے گا۔ بلکہ اگر یہ ہماری تحقیق مکمل ہو جاوے۔ تو عربی زبان حاصل کرنے کا ایک آسان سے آسان طریق دُنیا میں پیدا ہو جائے گا۔ زبان کا سیکھنا بُہت حد تک لُغت سے واقفیت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ قواعد زبان سے واقف ہونا تو بُہت ہی تھوڑا وقت چاہتا ہے۔ واقفیت لغت ہی ایک مشکل کام ہے۔ اب انشاءاللہ لغت کا سیکھنا بھی اُس شخص پر نہایت ہی آسان ہو جائے گا۔ جس کے سامنے اُس کی اپنی زبان کے صدہا الفاظ عربی زبان سے ملتے جُلتے رکھدیے جاویں۔ مثلاً اگر دو ہزار پنجابی یا اردو کے الفاظ ہم عربی الفاظ سے شکل و معنی میں ملتے جُلتے ایک پنجابی یا ہندوستانی کے سامنے رکھدیں تو انھیں دو ہزار عربی الفاظ آسانی سے آجاویں گے۔ مثلاً اگر ہم ایک بچّہ کو اوّل یہ سکھلاویں۔ کہ زبانوں کی تبدیلی میں کون سے حروف کن حرفوں سے بدل جاتے ہیں۔ اُسے یہ بتلاویں۔ کہ اردو الفاظ۔ چاک۔ ہوا۔ آگ۔ دُہائی پچھاور کے مقابل عربی زبان میں شق۔ ہوا۔ اج۔ دُعا۔ نثار موجود ہیں۔ ایسا ہی اُسے یہ بتلایا جاوے۔ کہ جسے تم اپنی زبان میں لقا لنگارا کہتے ہو عربی میں اُسے لکع یا لفع کہتے ہیں۔ یہاں جسے راب کہتے ہیں۔ عربی میں اُسے رُبّ کہتے ہیں۔ پنجابی لفظ ہاڑی (مددگار) اور چوہا کو عربی میں عانی۔ اور جب کہتے ہیں تو پھر ممکن نہیں۔ کہ آن واحد میں وہ بچّہ ان عربی لغات سے ویسا ہی واقف نہ ہو جائے۔ کہ جیسے وُہ اپنی مادری زبان کے الفاظ سے آشنا ہوتا ہے۔ آج ہم اپنے اسلاف کے بُہت سے نادر علوم سے اِس لیئے ناواقف ہیں کہ ہم عربی زبان سے ناآشنا ہیں۔ عربی زبان ہی ہماری مذہبی زبان ہے۔ عربی زبان کی ناواقفی

فٹ نوٹ [۱] ام الالسنہ جو ننو۹ صفحہ سے اوپر ہے۔ قیمت ۱۲ ار (منیجر رسالہ سے طلب فرمائیں)

نے ہمیں اسلام اور قرآن سے نا آشنا رکھ کر ہمیں اس کی خدمت سے محروم کر رکھا ہے۔ ہماری سب تعلیمی انجمنوں کا اوّل فرض یہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ وُہ عربی زبان کی ترویج اور تعلیم میں از حد کوشش کرتے اور یہ کوشش کرتے کہ ہم میں سے خواندہ مسلمان عربی دان ہو جاویں اور اس کا سہل طریق یہی ہے۔ جو میری سمجھ میں آیا ہے۔ اگر ہم اِس قسم کی لغاتیں اور ڈکشنریاں تصنیف کرنے میں کامیاب ہو جاویں۔ تو ہم نے آنے والی پشتوں پر بڑا بھاری احسان کر دیا عزیزو! یہ کام کا وقت ہے۔ سونے کا وقت نہیں۔ یاد رکھو۔ عربی کی اشاعت اسلام کی اشاعت ہے۔ کیا خدمت عربیّت بھی کسی خاص فرقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ میرے نزدیک اسلام کی پہلی خدمت اس کو سمجھو۔ کہ تم اپنے اپنے فرقہ کی خصوصیات کو تو بیشک قائم رکھو۔ لیکن ایسے امور میں مشترک ہو کر ایک دُوسرے کا ہاتھ بٹاؤ۔ مینے مختلف امور میں آگے بھی آپ سب فرقہائے اسلام کو مخاطب کیا۔ اب اِس علمی تحقیق میں بھی آپ سب کو ہاتھ بٹانے کی دعوت دیتا ہوں۔ محض عند اللہ اٹھو۔ اور میرے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ میری آئندہ کتاب کے اِس دیباچہ[1] کو پڑھو اور دیکھو کہ مجھے عربی زبان کی تحقیق میں کن کن علمی خزانوں کا دستیاب ہونا نظر آتا ہے۔ مین عربی زبان کو نہ صرف ام الالسنہ یعنی کل زبانوں کی ماں ہی کہتا ہوں بلکہ اسے الہامی اور خدا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی زبان سمجھتا ہوں۔ مین نے اِس مختصر اردو کتاب میں اُن وجوہ کو علمی وجہ الکمال نہیں لکھا۔ جن سے میں عربی زبان کا الہامی ہونا ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ذہن میں جو اصُول ہیں۔ ان کے ماتحت مَیں نے نہائیت مختصر سی تحقیق ان ایام رمضان شریف میں کی۔ اور اِس تحقیق کا خلاصہ میں اِس کتاب میں جو اسی ہفتہ پریس میں چلی جاوے گی۔ اِس خیال سے درج کرتا ہوں۔ کہ ہمارے مُسلم بھائی اُن پر تنقیدی نگاہ ڈالیں۔ اگر وہ اصول غلط ہوں تو مجھے اُن سے اطلاع دیں۔ تاکہ میں انگریزی کتاب لکھنے سے پہلے اُن کی اصلاح کر لوں۔ اور اگر وُہ اصُول صحیح نظر آویں۔ تو جن راہوں سے میں اس عظیم الشان نتیجہ پر آنا چاہتا ہوں وُہ بھی اس پر قدم ماریں۔ اور یہ امر یاد رہے۔ کہ اگر عربی زبان علمی اصولوں پر۔ نہ کہ مذہبی معتقدات کی رو سے الہامی زبان ثابت ہو جاوے۔ تو آج اگناسٹیزم (مذہب متشککین) کا دنیا سے خاتمہ ہو جاتا ہے۔ آج الہام کا وجود علمی رنگ میں

[1] دیباچہ موسومہ بہ ام الالسنہ جو قریباً یکصد صفحات سے اوپر مشتمل ہے۔ چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔ مفصل اشتہار کے لئے سرورق کا صفحہ نمبر ۴ ملاحظہ فرماویں۔ دیباچہ مذکور (قیمت ۱۲ار) منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا لاہور سے طلب کریں + منیجر

ثابت ہو جاتا ہے۔ اور آج ناطق اور خاتم الالہام کے لیئے موزون سے موزون زبان عربی ثابت ہو کر قرآن کی صداقت پر مُہر لگ جاتی ہے۔ یاد رکھو آج الہامی مذہب کا اگر کوئی دشمن ہے تو دھریت نہیں بلکہ اگناسٹ سیزم ہے۔ جس کے ماتحت منجانب اللہ الہام کا امکان مشتبہ ہو گیا ہے یہی عقیدہ یورپ کو نہیں بلکہ مغربی تعلیم کے زیر اثر کل مذاہب کے پیروؤں کو الہام کی حقیقت سے متزلزل اور متشکک کر رہا ہے۔ اس لیئے یہ خدمت ایک بھاری مذہبی خدمت ہے۔ اور اسلام کی صداقت منوانے کے لیئے مخالفین پر ایک کاری حملہ۔ وما توفیقی الا باللہ +

(خواجہ کمال الدین)
از ایبٹ آباد۔ بنگلہ شاہ بخارا
۳۱۔ اگست ۱۹۱۵ء

عیسائی مذہب کی تعریف کیا ہے؟

اُس خط کے بعد جس میں بہت سے سوالات کیئے گئے تھے۔ اور جس کے جواب دینے کی میں نے کوشش کی تھی۔ پادری ایچ۔ سی۔ ویلیس صاحب پھر مندرجہ ذیل طریق پر حملہ آور ہوئے ہیں۔

بخدمت لارڈ ہیڈلے صاحب

لنڈن ایزلے بورڈن روڈ
۱۵ مئی ۱۹۱۵ء

جناب من!

آپ کا ۱۳ تاریخ کا لکھا ہوا خط وصول ہوا۔ اور مجھے افسوس سے کہنا پڑے گا۔ کہ آپ نے اب بھی جو سوال میں نے کیا تھا اُس کے مقابل ہونے سے ارادۃً اعراض کیا ہے بلکہ میں افسوس کرتا ہوں۔ کہ اب کی دفعہ آپ ایک درجہ اور آگے نکل گئے۔ اور ایسی

بات کر بیٹھے کہ جس کی تردید نہایت شد و مد سے کرنی میرا فرض ہے۔ پہلے تو آپ نے بھی بیان کیا ہے۔ کہ "عیسائی لوگ نہایت سچے دل سے یقین کرتے ہیں کہ بپتسمہ۔ عشائے ربانی۔ اور الوہیت مسیح تینوں وہ ضروری ارکان ہیں جن کے بغیر نجات ناممکن ہے" اس بیان سے صرف یہی ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور اسی مقصد کے لئے یہ بات بولی یا لکھی گئی ہے۔ تاکہ یہی بات لوگ سمجھیں کہ مذکورہ بالا تینوں باتیں عیسائی مذہب کے تین ضروری ارکان ہیں۔ جن کے ماننے کے بغیر کوئی شخص عیسائی نہیں کہلا سکتا۔ اس اپنی پیدا کردہ غلطی سے نکلنے کی راہ آپ نے یہ نکالی کہ میرا مطلب اس سے یہ نہ تھا۔ کہ سب عیسائی ایسا اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن اس گریز میں آپ کو کامیابی نہیں ہوئی۔ ہاں اس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ برٹش مسلم سوسائیٹی کے جلسہ میں آپ نے اپنی تقریر میں یہ واضح کر دیا۔ کہ دراصل یہ خیال آپ کو بعد میں پیدا ہؤا" مگر پھر صفحہ نمبر ۳ میں آپ کہتے ہیں" کہ مسلمانوں کو بھی ممکن ہے۔ یہ خوف ہو کہ مبادا وہی باتیں جن پر ہم عیسائیوں کو ملزم کرتے ہیں ہم میں تو نہیں ہیں۔ یعنے بپتسمہ۔ الوہیت مسیح۔ اور عشائے ربانی نجات کے لئے ضروری ہیں" پس یہ دورنگی آپ کی چل نہیں سکتی۔ میرے سوال کے جواب میں جو "آزاد کلیسیا" کے عقائد کے متعلق میں نے کئے تھے۔ آپ اب فرماتے ہیں کہ مجھے تمام آزاد کلیسیا کے لوگوں کے خیالات کو پڑھنے کا موقع نہیں ملا" آپ کا یہ جواب کچا ہے۔ آزاد کلیسیا کے پیشواؤں نے اپنے خیالات کو بیشمار کتابوں میں ظاہر کیا ہے" اور ایک مذہبی معلّم کا فرض ہے۔ کہ ان خیالات کے مقابلہ میں کھڑا ہونے سے قبل اُن کو ایک دفعہ غور سے پڑھ لے۔ آپ کے اس طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ اسلام کی اشاعت کے لیئے یہ ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ انگلستان کے بعض نہایت قابل عیسائی مصنّفین کی تحریروں کو نظر انداز کر دیں۔ آپکا طرزِ عمل میری نگاہ میں پسندیدہ نہیں۔ میرے خیال میں تو یہ ممکن نہیں کہ آپ کو خیال نہ آیا ہو کہ اسقدر آدمی جو عیسائی کہلاتے ہیں۔ آپ کی اس قسم کی عیسائیت کی تردید سے کیوں ناخوش ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ اُن کے خیالات کثرت سے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن آپ ہیں۔ کہ اُن کی نسبت کچھ بھی نہیں جانتے۔

پھر میں کہوں گا۔ کہ آپ "الوہیت" کے لفظ کو ہمیشہ غلط پیرایہ میں استعمال کرتے ہیں۔

الوہیت جدا امر ہے اور معبود ہونا جدا امر ہے۔

موحدین عیسائیوں کے متعلق آپ ایک بدیہی بات سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ وہ بھی عیسائی ہونے کے مدعی ہیں۔ اور وہ اپنے فرقہ کا نام آزاد عیسائی رکھتے ہیں۔ اور اپنے کلیسیا کا نام آزاد کلیسیا رکھتے ہیں۔ اُن کے اخبار کا نام "عیسائی زندگی" ہے جب آپ مسٹر اسٹاپ فورڈ بروک کو موحد کہتے ہیں۔ تو یہ بات تو نہیں۔ کہ اُس وقت وہ عیسائیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیا جب آپ کو میں محمدی کہوں تو آپ مسلمان نہیں رہتے آپ اسے ہرگز پسند نہ کریں گے۔

آپ کے آخری فقروں سے یہ معلوم کر کے مجھے عجیب ہی معلوم ہوا۔ کہ اسلام میں وحدت اور خیالات کی آزادی ایک ہی وقت میں دونوں موجود ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں۔ مختلف طبائع کے لوگ مثلاً اینڈریو۔ پطرس۔ جیمس۔ پولوس اور اگر آپ پسند کریں تو محمد (صلعم) کس طرح تمام چیزوں کو ایک ہی رنگ میں دیکھ سکتے ہیں۔ جب کوئی دو دل یکسان نہیں تو پھر کوئی بھی دو آدمی خدا کی نسبت ایک ہی طرح کے خیالات نہیں رکھ سکتے۔ اِس لیئے آپ کا وحدت کا دعوے ایک افترا اور خیالی چیز ہے۔ جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ کیونکہ آپ سائنس اور واقعات کے خلاف یہ بات پیش کر رہے ہیں۔

مجھے افسوس ہے۔ کہ عیسائیت کے متعلق آپ وہی رویہ اب تک اختیار کیئے ہوئے ہیں۔ جو پہلے آپ کا تھا۔ یہ گندہ اور نہائیت گندہ رویہ ہے۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ آپ اسکو گندہ نہیں سمجھتے۔ اِس عقیدہ کو حل کرنا میری سمجھ سے تو باہر ہے۔ عیسائیت کی نسبت جس پر بڑی شدّ و مد سے آپ نے نکتہ چینی شروع کی ہوئی ہے۔ آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔ مثلاً پرسبٹیرین کلیسیا کی سادی حکومت کی نسبت آپ نے جو کچھ کہا۔ مَیں نے اُسی فرقہ کے ایک پادری کو دکھایا۔ وہ بڑا ہنسا۔ بات تو یہ معمولی ہے۔ مگر کلیسیا کی حکومت کجا اور سادگی کجا۔ چونکہ میں نے پرسبٹیرین میں تربیت پائی۔ اِس لیئے میں خوب جانتا ہوں۔

یاد رکھو۔ جب تک آپ عیسائیت کے متعلق غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں کو کام

میں لائیں گے۔ آپ اپنا مذہب کبھی بھی نہیں پھیلا سکیں گے۔ اور لوگوں کو کبھی اسلام میں داخل نہیں کر سکیں گے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ عیسائیت کے متعلق اب بھی آپ غلط بیانیوں سے باز نہ آئیں گے۔ آپکا وفادار۔ ہیو۔ سی۔ ویلیس

جواب

بخدمت پادری ایچ۔ سی۔ ویلیس۔ منسے بورڈن روڈ ایسنر لے لنڈن

از ٹوکس ہام

۲۸۔ مئی ۱۹۱۵ء

جناب من

میں امید کرتا ہوں۔ کہ اب آپ کے پاس جس قدر ہجو اور توہین کے الفاظ ہونگے۔ وہ ختم ہو چکے ہونگے۔ اور آپ نے جو اشارتاً مجھے بے علم اور جاہل کہا اور مجھے افترا پردازیوں کے زہریلے ہتھیاروں سے مسلح بتایا۔ وہ غصہ کی وجہ سے تھا۔ اور اس لیئے میں اس سے اعراض کرتا ہوں۔ آزاد کلیسیا کی تحریروں کو نہ صرف میں نے بلکہ بہت سے تعلیم یافتہ لوگوں نے اب تک نہیں پڑھا۔ اور میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں۔ کہ تمام مسیحی دنیا کے مقابلہ میں آپ کی تعداد بہت ہی قلیل ہے۔

جو عقاید تمام مسیحی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن کے متعلق آپ کا مجھ پر نکتہ چینی کرنا خواہ مخواہ بال کی کھال نکالنا ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ عام طور پر مسیحی لوگ یعنی مسیحیوں کی کثرت اُنہی عقاید کی پابند ہے۔ جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ آپ کی تعداد تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ پس آپ کو اس بات سے اس قدر ناراض نہ ہونا چاہیے کہ آپ کا خاص طور پر کیوں ذکر نہ کیا گیا۔ میں نے ارادۃً آپ پر یہ ظلم نہیں کیا۔ بلکہ آپ کے ساتھ اور بھی کئی ایک آپ کی طرح گمنام فرقوں میتھوڈسٹ اور پلائی متھ برادرن

وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ مینے جو عام طور پر کثرت سے اُس عقیدہ کا جو عیسائی دُنیا میں مروّج ہے صحیح صحیح نقشہ کھینچ دیا۔ اور ننوا میں سے ننانوے آدمی میرے مطلب کو خوب سمجھتے ہیں۔ آپ نے یہ کہاں سے مطلب نکال لیا۔ کہ میں آزاد کلیسیا کے خیالات کا مخالف ہوں مضمون لکھتے وقت تو نہ مجھے مخالفت کا خیال تھا نہ موافقت کا۔ اگر جیسا کہ آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ لوگ الوہیت مسیح۔ تثلیث۔ عشائے ربّانی وغیرہ کو نجات کے لئے ضروری نہیں سمجھتے۔ تو اِس بات میں تو مَیں بجائے مخالف ہونے کے آپ کے ساتھ موافق ہوں۔ اپنی سمجھ کے مطابق آپ کے ہیں تمام سوالات کا جواب دے چکا ہوں۔ اب میں دوبارہ یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ مہربانی فرماکر آپ عیسائیت کی تعریف کر دیں۔ میں نے گذشتہ ماہ کی ۳۰۔ تاریخ کی چٹھی دوبارہ تاکید سے یہی سوال کیا تھا۔ کہ عیسائی مذہب کی تعریف کیا ہے۔ مگر تاحال اس بات کا جواب نہیں ملا۔

مَیں تو مذہبی معلم ہونے کا مُدعی نہیں۔ مگر بحیثیت ایک پادری کے آپ کے لیئے زیادہ شایان ہے۔ کہ لہجہ میں نرمی اختیار کریں۔ جو لوگ آپ سے متفق نہیں۔ اُن کی توہین کے درپے نہ ہوں مذہب میں تشدّد پسندیدہ امر نہیں۔ وہی لوگ تشدّد اختیار کیا کرتے ہیں جنکا مذہب درصل کمزور اور ضعیف ہوتا ہے۔

آپکا وفادار (ھیڈلے)

اسلامک ریویو:۔ مذکورہ بالا دونوں خطوط اس وقت ہمیں ملے جب میگزین چھپنے کو جا چکا تھا۔ اِس لیئے ہم پہلی خط و کتابت کے ساتھ ہی اسے شائع نہ کر سکے۔ ہمیں اس بات کا علم نہ تھا۔ کہ پادری ویلیس صاحب کا یہ مطلب نہ تھا۔ کہ یہ خطوط شایع ہوں۔ ہم تو موجودہ خط و کتابت کو شائع نہ کرتے کیونکہ پادری صاحب کی چٹھی کا لب و لہجہ پسندیدہ نہیں۔ مگر اِس خیال سے کہ پادری صاحب موصُوف کو یہ شکایت نہ ہو۔ کہ تمام خط و کتابت کیوں شائع نہ کی گئی ہم نے اسے چھاپ دیا۔ بد قسمتی سے اصل مسئلہ فریقین میں فیصلہ نہ ہوا۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ عیسائی مذہب کی تعریف کی جائے۔ اور چونکہ ہمیں بھی اکثر عیسائی عقاید کے ساتھ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اسلیئے ہم چاہتے ہیں۔ کہ عیسائی مذہب کے ارکان ضروریہ کی تشریح کردی جائے۔

لارڈ ہیڈلے صاحب کے خیال میں تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کثیر تعداد بپتسمہ اور کفارہ کو نجات کیلئے

ضروری سمجھتی ہے اور یہ عقاید ایسے ہیں۔ جو نہایت غیر معقول ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر غیر معقول اور کفر مسیح کی خدائی اور الوہیت اور منجی ہونے کا عقیدہ ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہمیشہ سے یہی عقاید ہیں۔ جو باعث اختلاف رہے ہیں۔ اور اب تک انہی باتوں میں اختلاف ہے۔ ورنہ دونوں اُسی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں وہی انبیاء ہیں۔ جن کی دونوں تعظیم کرتے ہیں۔ اور آخرت کے متعلق بھی قریبًا ایک ہی سے عقاید رکھتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ خوش قسمتی سے عیسائیوں میں اب بعض ایسے فرقے پیدا ہو گئے ہیں جنھوں نے مُسلمانوں کے عقاید کو پلے باندھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ مسیح کے عقائد کو۔ کیونکہ مسیح کے عقائد سوا اس کے اور کچھ ہو نہیں سکتے۔ چنانچہ یہ فرقے مسیح کی خدائی کے قائل نہیں۔ لیکن اگر یہ فرقے اپنا بھی وہی نام پسند کرتے ہیں۔ جو اُن فرقوں کا نام ہے جو مسیح کی خدائی مانتے ہیں۔ اور جو معقول یا غیر معقول طور پر ایسا خطرناک اختلاف اصول میں رکھتے ہیں۔ تو پھر خواہ ہم کتنی ہی احتیاط کریں۔ اگر بعض دفعہ عقاید کے معاملہ میں دونوں قسم کے لوگ ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جائیں تو ہم معذور ہیں۔

وُہ عیسائیت جو مسیح نے سکھائی تھی۔ بلاشک وشبہہ منجانب اللہ مذہب تھا۔ اور اُن تمام شرک و بدعات سے پاک تھا۔ جو بعد میں شامل ہو گئے۔ اور جن کا ماخذ مشرکوں کے مذاہب ہیں۔ پس یہ بدعات اور اختراعات ہیں جو آج انسانی ضمیر اور عقل پر ایک بوجھ ہیں اور جن کی وجہ سے ایسے سچے اور مخلص عیسائیوں کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے جنھوں نے مسیح کی صحیح تعلیم کو پالیا ہے کیونکہ بلحاظ نام کے تو وُہ بھی عیسائی کہلاتے ہیں۔ مگر ہزار ہا سال کے رواج کے مطابق اب عیسائیت محض اُن شرک اور بدعات کا نام رہ گیا ہے جو بعد میں شامل ہوئیں۔ ان مشکلات سے بچنے کی دو ہی راہیں ہیں۔ یا تو عیسائیوں کا کثیر حصّہ جو شرک اور بدعات میں مبتلا ہے اُن غیر معقول عقائد کو ترک کر دے اور دوسروں کی طرح مسیح کی اصلی تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔ یا دوسرے لوگ جو موحد ہیں اپنے لیئے الگ نام تجویز کریں۔ اب یہ تقدیر کا پھیر ہے کہ وہ لوگ جو حضرت عیسےٰ جیسے عظیم الشان نبی کے پیرو ہیں اور صحیح معنوں میں وہی عیسائی ہیں۔ مگر وُہ عیسائی کے مفہوم کے مصداق نہیں گنے جاتے۔ اور اُن کے عقائد عیسائیت کے عقائد نہیں سمجھے جاتے۔ اور اگر عیسائیوں

کے کثیر حصہ کی رائے لی جائے تو اُن کو عیسائیوں میں مطلق شامل نہیں سمجھا جاتا۔

ہم اپنے عیسائی بھائیوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں۔ کہ اگرچہ اسلام کو بدیہی طور پر نہایت ایذادہی کے رنگ میں یورپین اہل قلم اور عیسائی پادریوں نے ہمیشہ دنیا کے سامنے بگاڑ کر پیش کیا۔ مگر ہم اس بدنمونہ کی تقلید کرنا نہیں چاہتے۔ اور جو فوقیت اور فضیلت اسلام کو حاصل ہے وہ اُس کے لیئے ان باتوں کا محتاج نہیں۔ لیکن اُن عیسائی پادریوں کے لیئے جو عقاید عامہ عیسائیت کی اصلاح کے مدعی ہیں۔ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ اُن لوگوں کے مُنھ آویں جو عیسائیت کی غلطیاں کھول کر دنیا کو محض اس لیئے دکھاتے ہیں تا عیسائی مذہب شرک اور بدعات سے نجات پاجائے ۔

عید کے دو چاند

ازجناب مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا لنڈن

خوشی مشیر کے دلمیں نہ کیوں دوبالا ہو | دیار یار میں دیکھے جو چاند عید کے دو

اس شعر کی تشریح اُس خوش نصیب وارفتہ مزاج عاشق سے کرانا چاہیئے۔ جسکی عید دیار یار میں ہو۔ ایک طرف اُسے آسمان پر عید کا چاند نظر آئے۔ دُوسری طرف لب بام کوئی قمر طلعت اپنی جادو فگن نگاہوں۔ اور ہلال نماء ابرُوں کا نظارہ دکھائے مشیر کی وارفتہ مزاجی کسے نہیں معلوم۔ گو شاید ایسی محرومیٔ قسمت کا پتہ نہ ہو کہ دیارِ یار میں بھی دو چاند کیسے ایک چاند بھی نظر نہ آوے۔ ایک کو ابر سیاہ چھپاوے۔ دوسرے کو حجابِ بے جا۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ اس عید کو مشیر کے دل بدمست کی مخمور فرحت آنکھوں نے دو چاند واضح دیکھے۔ پردیس میں۔ تثلیثستان میں۔ اُبالے آلو۔ اور اُبالی مچھلی

کے کھانے والوں میں کسی ایشیائی مُسلمان کو عید محرّم سے کم نہیں ہوتی۔ لیکن اس مرتبہ ووکنگ شریف میں ہم آوارہ وطن مُسلمانوں کو اچھی خاصی گھر کی سی عید نصیب ہوئی۔ گویا عید کا چاند واقعی ہم سب کو نظر آیا۔ گھر ہی کی طرح اچھے اچھے کپڑے زیب تن کیئے۔ عید کا انتظام کیا۔ نماز ایک بڑی جماعت سے کھلی ہوئی جگہ ادا کی۔ بعد نماز حسب معمول ایک دُوسرے سے محبّت اور لطف سے بغلگیر ہوئے۔ ہم مصافحہ ہوئے۔ مولوی صدرالدّین صاحب کی مہمان نوازی سے سوئیاں (لکھنؤ کی نہیں سہی) بھی اوڑیں۔ کچھ شک نہیں اگر اس مقام پر عید کی صرف اسی قدر خوشی میسّر ہوتی وہ بھی قابل صد تشکر و حمد ہوتی۔ لیکن صد ہزار احسان اُس کردگار عالم کا ہے۔ کہ اس ایک چاند۔ ایک خوشی کے بجائے اُس نے دُھرے چاند دُھری خوشیاں نصیب کیں۔ ایک چاند۔ ایک خوشی دیکھنا تو گھر میں بھی نصیب ہوتا تھا یہاں جو چاند دیکھا۔ جو خوشی نصیب ہوئی وہ گھر میں کہاں میسّر۔

ہم سیکڑوں مُسلمان یہاں جمع تھے۔ اور کیا دیکھتے تھے۔ یہ کہ اُس ایک دن تو اسلام کا قبضہ اسجگہ کامل ہوگیا تھا۔ دور دور کے انسان مختلف رنگ۔ مختلف مرتبہ۔ مختلف حیثیت مختلف قابلیت۔ مختلف پیشہ۔ مختلف انداز۔ مختلف طریقۂ معاشرت۔ مختلف جگہوں کے موجود تھے۔ اور سب کے سب ایک رشتۂ اخوّت میں منسلک۔ سب کے سب ایک خدا کی پرستش میں مصروف سب کے سب ایک نبی رحمت للعالمین کی محبّت میں سرشار تھے۔ چاروں طرف سے تکبیر کی صدا بلند ہوتی تھی۔ جگہ جگہ سے کلمہ طیبہ کا آوازہ نکلتا تھا۔ نہ گورے کالے کا فرق تھا۔ نہ رئیس و دہقان کا امتیاز۔ ہندوستانی شہزادے تھے۔ مصری پاشا زادیاں۔ انگریزی لارڈ۔ ایرانی رئیس۔ افریقہ والشیار کے اہلِ علم تھے۔ یورپ کے اہل ہنر تھے۔ انگلستان۔ بغداد۔ شام وغیرہ وغیرہ کے زراعت پیشہ۔ تجارت پیشہ قطار در قطار۔ سب کے سب ایک معبود حقیقی کے آگے رکوع و سجود بجالا رہے تھے۔ اس شہر کے اور دُور دُور سے بھی لوگ اس نظارہ کو دیکھنے آئے تھے بیسیوں تصویروں کے آلہ اپنا کام کر رہے تھے۔ انگلستان کا تلوّن طبع موسم بھی مرغوب ہوگیا تھا۔ آفتاب ہفتوں بعد جلوہ آرائے فلک تھا۔ اور ہم زمین نشینوں کے جسموں اور دلوں میں بھی حرارت پیدا کر رہا تھا۔ اسلامی اخوت کا نظارہ دیکھ دیکھ کر لوگ دنگ تھے۔ حیرت

تھی کہ یہ کیا افسون ہے۔ کہ رئیس دھقان کے دوش بدوش کھڑا ہے۔ انگریز ہندوستانی کو سلام علیک کہہ رہا ہے۔ غریب امیر سے بغلگیر ہو رہا ہے۔ ایسا حیرت بخش نظارہ یہاں اس ملک میں تو اس سے پہلے کبھی بھی نظر نہ آیا تھا۔ اور واقف کاروں کا قول ہے کہ اور کسی ملک میں بھی نہ نظر آیا تھا۔ کچھ انگریزوں نے محبت سے پگڑیاں باندھی تھیں۔ کچھ نے ترکی ٹوپی دی تھی۔ یہیں بھی علے الاعلان اسلامیت جتا رہی تھیں۔ ہندوستانی سپاہیوں نے اپنی خاکی میلی وردی اُتار پھینکی تھی اور سفید شلواروں میں فرض ادا کرتے تھے۔ جسٹس عبدالرحیم صاحب ایک طرف عجز و انکسار سے کھڑے تھے۔ ہمارے رودلی کے درویشی خاندان کے صوفی مصطفےٰ احمد صاحب اعلےٰ مارننگ سوٹ میں تھے۔ مگر سم صاحب (اسلامی نام شمس الدین ہے) اور چھوٹا بچہ ہیرلڈ (اسلامی نام قاسم رکھا گیا ہے) پگڑی اور قرمین اُسی صف میں ویسے ہی خشوع و خضوع سے کھڑے تھے۔ چونکہ عید اتوار کو نہیں ہوئی۔ اور یہاں سوا اتوار کے اور تعطیل ملتی نہیں۔ یہ ملک کسب حرفت کا ملک ہے۔ یہاں لوگوں کو گھر میں موت ہو جانے پر بھی چھٹی نہیں ملتی۔ اس وجہ سے بہت سے انگریز مسلمان مرد اور عورت یہاں آسکنے سے معذور رہے۔ ہاں بعض ایسے صادق العقیدت انگریز مرد اور عورت تھے کہ اُنھوں نے ایک دن کی تعطیل جس طرح بنی لے لی تھی۔

جیسا بعد کے واقعات سے معلوم ہوا اور ہو رہا ہے۔ اس عید کا اثر یہاں کے لوگوں کے دلوں پر بہت گہرا پڑا۔ کئی قابل لوگوں نے اسلام کا اعلان کیا ہے۔ بہت سے انگریز دریافت کر رہے ہیں کہ یہ تقریب اب پھر کب ہوگی۔ انگلستان کے ہر ہر شہر میں تصویروں کے ذریعہ سے اسلام کا اعلان ہو گیا۔ جو لاکھوں روپیہ صرف کرنے سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ سب خداوند کریم کا اپنا فضل ہے۔ اُس کی مرضی ہوئی تو ایک عید نہیں۔ ہر سال اِس سے بھی زیادہ کامیابی سے عیدیں ہونگی۔ اور اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا ہوگا۔ آمین۔

لیکن اس عید نے اِس بات کو بھی دکھا دیا۔ کہ ابھی یہاں کی مشن کی حالت ہرگز قابل اطمینان نہیں اور جس پیمانہ کا کام اٹھایا گیا ہے۔ اُسکے پُورا کرنیکے لیئے جو سرمایہ ہے یا جو آمدنی ہوتی ہے۔ ناکافی اور سخت ناکافی ہے۔ رسالہ کی چھپائی وغیرہ کا صرفہ بھی پورا نہیں ہوتا۔ اشاعت کافی نہیں ہو سکتی ہمت کر کے عید کے سے جلسہ کر دیئے جاتے ہیں۔ یا یہاں بدھ اور اتوار کو مجمع کر لیا جاتا ہے۔ مگر مالی حالت اندیشہ ناک ہے۔ اب ضرورت تھی کہ اس عید کے اشتہار و اعلان سے فائدہ اُٹھا کر لنڈن میں بھی بار بار لیکچر و وعظ وغیرہ کے ساتھ جلسہ ہوتے۔ قابل قابل لوگ مثل مسٹر یوسف علی صاحب یا پروفیسر لیون کے لیکچر دینے کو موجود

ہیں۔ مگر مشکل روپیہ کی ہے۔ یورپ میں یورپ کے رہنے والوں کا خدا زر ہے۔ یہاں روپیہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور ہمارے لیئے روپیہ ہی کی کمی ہے۔ معلوم ہؤا کہ پارسال یہاں جناب نواب صاحب بہاولپور سے اور سر آغا خاں سے اور نواب عماد الملک بہادر سے اچھی اچھی رقمیں آگئی تھیں۔ امسال ایسی آمدنی کوئی نہیں ہوئی۔ ابھی والیہ بھوپال کا گراں بہا وظیفہ بھی نہیں پہنچا۔ اور کام روز بڑھ رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ اسلام کی حیثیت کا خیال رکھنا بھی تو ہے۔ یہاں کے لوگوں کو یہ بھی تو معلوم ہے کہ اسلام کے شیدائی تمام دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں کروڑوں ہیں۔ اُن کو یہ بھی معلوم ہے۔ کہ یہ ذرا سی مسجد انگلستان بھر میں تنہا واحد خدا کی پرستش کی جگہ ہے۔ اور یہاں کے کام کرنے والے انگلستان بھر میں کل دنیا کے مسلمانوں کے قائم مقام ہیں۔ اس سے ہمارے ہندوستانی بھائیوں کو شاید اندازہ ہو کہ یہاں کے کام کی ذمہ داری کس قدر اہم ہے۔ اور کس قدر زیادہ خرچ کی ضرورت ہے کہ اسلام کا نام نہ میلا ہو۔ مکان ہو تو صاف۔ مسجد ہو تو صاف۔ اندر باہر ہر جگہ درستی اور رونق چاہیئے۔ ذرا ذرا سے گرجے۔ لوگوں کے ذرا ذرا سے گھر سب یہاں صاف رہتے ہیں اور قریب قریب سب کے آگے لان اور چھوٹے چھوٹے چمن درست رہتے ہیں۔ یہاں غریب مولوی اپنے کھانے پینے میں تو دال اور مولی کے پتوں کی بھاجی وغیرہ ہی کو رکھتے ہیں۔ مگر حیثیت کے لیئے ایک مالی بھی رکھنا پڑا ہے۔ یہاں کے مالی صاحب بھی مدعہ روپیہ ہفتہ یعنی معہ روپیہ ماہوار لیتے ہیں۔ بائیسکل پر تشریف لاتے ہیں۔ وقت مقررہ سے ایک منٹ بھی زائد کام لو تو زائد مزدوری چاہتے ہیں پس خدا ہی اس کشتی کا پار لگانے والا ہے۔ نہ المامون سُہروردی کو جب اُنھوں نے اشاعت و اتحاد اسلام کا تخم بویا۔ یہ خیال تھا۔ کہ اس قدر جلد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ یہاں چاروں طرف سے بلند ہو جاویگا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ خواجہ کمال الدین صاحب کو بھی یہ امید تو نہ ہوگی۔ کہ وہ معہ اپنے دو رفیقوں کے اس ذرا سے دیہات میں آکر ایسا تخم لگا دینگے جو دو سال کے اندر ہی اندر ایسا بڑا پودا ہو جاویگا جس کی شاخیں انگلستان کے چاروں طرف تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع کر دیں گی۔ کاش خدا اس پودے کی آبیاری کا مناسب انتظام فرماوے آمین

جب میں اس مرتبہ کی عید کی صف در صف دیکھتا تھا۔ تو بیساختہ حمد خدا ادا کرتا تھا کہاں یہ مقام جسکو پانی نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اور قوی سے قوی طاقت بھی جس کے اندر داخل ہونیسے عاجز تھی۔ جہاں پادریوں نے اسلام کو ہوّا اور دشمن بنا رکھا تھا۔ اب اُسی ملک میں اس زور و شان سے اسلام داخل ہؤا۔ اور عید کی نماز اُسی طرح ادا ہوئی جس طرح کسی اسلامی مقام میں شکر ہے۔ لاکھ لاکھ شکر ہے۔ خدا مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اپنی پُوری ہمت سے اس پر آمادہ ہو جاویں کہ یہاں اگر ہر شہر اور ہر قریہ میں نہیں تو بڑے بڑے شہروں میں تو ایک ایک مسجد ہو جاوے۔ ابھی تو خاص لندن میں بھی کوئی مسجد نہیں۔ خدا ہر عید کو ہم سب کو یہاں اسی طرح دو دو چاند دکھایا کرے۔

عید بھی ہو۔ اشاعت اسلام بھی۔ آسمان پر ہلال عید کا جلوہ۔ زمین پر نور اسلام کی روشنی۔ آمین

مشیر حسین قدوائی

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدّین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیّرہ حصّہ اوّل المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام۔ اردو۔ قیمت ۱۰ر

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے۔۔۔ 〃 ۔۔۔ ۱۲ر

(۳) اسوۂ حسنہ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی"۔۔۔ 〃 ۔۔۔ ۴ر

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس ۔۔۔ انگریزی ۔۔ 〃 ۔۔ ۲ر

مسلم پریئر ۔۔۔ 〃 ۔۔۔ ۴ر

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدر آباد دکن ۔۔۔ اردو ۔۔ 〃 ۔۔ ۲ر

بنگال کی دعوت۔ انگریزی اردو ہر دو ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر ۔۔۔ مفت

مسلم مشنری کے ولائیتی لکچروں کا سلسلہ 〃 ۔۔۔ 〃

مسلم ایٹی چیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی ۔۔ 〃 ۔۔۔ 〃

کرشن اوتار ۔۔ 〃 ۔۔ اردو ۔۔ 〃 ۔۔۔ 〃

پیغام صلح ۔۔۔ 〃 ۔۔۔ 〃

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ۔۔ جلد ۱ سنہ ۱۹۱۳ء ۔۔۔ انگریزی۔ قیمت ۵ر

〃 ۔۔۔ 〃 ۔۔ جلد ۲ سنہ ۱۹۱۴ء ۔۔۔ 〃 ۔۔ ۸/۸ر

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء ۸ر

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام۔ مصنفہ لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ نومسلم انگریزی ۔۔ ۱۲ر

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اوّل۔ مرتبہ حضرت مولوی محمّد علی صاحب ایم۔ اے اردو ۶ر

حدوث مادہ ۔۔۔ 〃 ۔۔۔ ۴ر

ملنے کا پتہ:۔ مینجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:۔ ۱ - ۲ - ۳ - ۴۔ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصًا تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

مینجر

یہ تین کتابیں ہر مسلم گھر میں ہونی چاہئیں

۱- براہین نیرّہ حصّہ اوّل معروف بہ زندہ و کامل الہام۔ قیمت .. .. (۱۰/)
۲- اسوۂ حسنہ معروف بہ زندہ و کامل نبی .. .. // .. .. (۲/)
۳- اُمّ الالسنہ۔ معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان // .. .. .. (۱۲/)

یہ ہر سہ کتابیں مصنفہ خواجہ کمال الدّین صاحب مسلم مشنری ہیں۔ جو تین خاص مضمون پر نایاب اور بے مثل کتابیں ہیں +

یعنے کتابوں میں کتاب قرآن۔ نبیوں میں نبی محمدؐ عربی۔ زبانوں میں زبان عربی ہیں یہ تین باتیں ان تین کتابوں میں علے الترتیب ثابت کی گئی ہیں +

۱- براہین نیرہ میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جسمیں تہذیب و تمدّن کے کامل قوانین موجود ہیں۔ اس ضمن میں مصنّف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقاید اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے +

۲- اسوہ حسنہ میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بہ حیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر یہ ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے۔ تو آپ کی ذات پاک ہی ہے +

۳- ام الالسنہ۔ بالکل جدید تصنیف ہے۔ اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے۔ اپنی نوع کی یہ پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دُنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور ابتداء میں سب ملکوں کے آباؤاجداد عربی الاصل تھے۔ یہ کتابیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں +

مینجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:- محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا +